(یوپی اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ)

اودھی کے بے مثال شاعر ملک محمدؐ جائسی کی لاجواب تصنیف

"پدماوت" کی مختصر فرہنگ

مولف

محمد انصار اللہ

ایم اے، پی ایچ ڈی

۱۹۷۸ء

تعداد ۵۰۰

مطبع لیتھو کلر پرنٹرس، علی گڑھ

اشاعتِ اول ۱۹۷۲ء

اشاعتِ دوم ۱۹۷۸ء

قیمت مجلّد بارہ روپے

ملنے کے پتے:

۱- بیت الابصار، ۴/۵۸۵ سر سید نگر، علی گڑھ

۲- مکتبۂ جامعہ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

تعارف

ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے پہلی بار یہ دعوا کیا ہے کہ اُردو کا قدیم ترین مأخذ اودھی ہے۔ اُنھوں نے اپنی بات کی اہمیت کو واضح کرنے سے پہلے یہ عیاں کیا ہے کہ اردو کے ماہرینِ لسانیات نے کس طرح نہ تو اودھی کے قدیم سرمایہ کا اعتراف کیا ہے اور نہ اِس زبان کے اثرات کو سمجھنے کی کوشش ہی کی ہے۔ اِس لیے اصل مأخذ کے سلسلے میں خاصے تسامحات ہیں۔

اِس حقیقت کو مورخین نے اب تک نظر انداز کیا ہے کہ شمالی ہند میں (مالابار اور سندھ کو چھوڑ کر) مسلمانوں نے سب سے پہلے جس علاقے کا انتخاب اپنے وطن کے طور پر کیا وہ اودھ کا علاقہ تھا۔ جب محمود غزنوی نے

ہندوستان پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا تو اُس نے عموماً مغربی
اور جنوب مغربی ہند کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا لیکن اُس کے
درویش صفت بہنوی سید سالار نے شمال مشرقی علاقہ
کی طرف رخ کیا۔ جب محمود غزنوی نے اپنے بھانجے اور سید
ساہو سالار کے فرزندِ رشید سید مسعود سالار غازی شہید
کو وزیرِاعظم بنانے کے لیے واپس بلایا اور اِس عرصے
میں کہ اُن دونوں کی غزنی واپسی ہو محمود غزنوی نے اپنا
ارادہ بدل دیا اور موخرالذکر کو اپنی بدگمانیوں کی بنا پر قتل
کر ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔ اِس کی خبر جب سید ساہو سالار
کو ہوی تو اُنھوں نے اپنی فوج کو مسلسل آگے بڑھتے
جانے کا حکم دیا یہاں تک کہ گومتی پار کر کے ریٹھ ندی کے
ساحل پر ست رشیوں سے برد آزما ہوے، فتح حاصل کی
اور یہیں سکونت پذیر ہو گیے۔ میدانِ کارزار کا نام اب بھی
ظفرپور ہے اور 'ست رشی' کی رعایت سے اُن کے وطنِ ثانی
کا نام اب 'سترکھ' (ضلع بارہ بنکی) ہے مسلمان سکونت پذیروں
کی زبان رفتہ رفتہ اودھی ہوی۔ چنانچہ اب بیشتر شرفاے
اودھ کی زبان اودھی ہے اور شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی،
عبد القدوس ردولوی، شیخ بھولن وغیرہ جن سے اودھی
کے ابتدای نمونے منسوب ہیں سترکھ کے قرب و جوار

کے علاقوں سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ شیوخِ اودھ چونکہ ہمیشہ سرکش رہے ہیں مغلوں سے لے کر صفویوں تک نے اُن سے عناد و تحقیر کا رویّہ روا رکھا۔ اِسی رویّہ کا نتیجہ ہے کہ تاریخ میں اُنھیں نظرانداز کیا گیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سترکھ کے مقابلے میں دہلی اور لکھنو نومولود ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اِن دونوں مراکز کے اثرات اردو پر بہت پڑے لیکن سب سے پہلا اور اہم اثر اودھ کا ہی پڑا۔ یہ میرا یقین رہا ہے اور اِس کی تصدیق مجھے ڈاکٹر محمد انصار اللہ کی تحقیق سے اب حاصل ہوی۔

(نظریہ کی تقدیم ڈاکٹر محمد انصار اللہ کے لیے ہے)

ہمیں ڈاکٹر محمد انصار اللہ کی فکر کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اُنھوں نے اردو کے قدیم ترین مأخذ کی طرف اہم اشارہ کیا ہے۔ اگر اُنھوں نے اِس سلسلے میں اپنی فکر و کاوش کو جاری رکھا تو یقین ہے کہ وہ اِس باب میں ناقابلِ فراموش اضافہ کرینگے۔

یہ کتاب پدماوت کی فرہنگ تو ہے ہی، یہ اودھی کی ایک اہم فرہنگ بھی ہے اِس لیے اِس کی اِفادیت اور اہمیت مسلّم ہے۔

(ڈاکٹر) ابنِ فرید

سوشیالوجی ڈپارٹمنٹ
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اعتراف

"پدماوت کی مختصر فرہنگ" موصول ہوی۔
اِس تحفے کے لیے ممنون ہوں۔
آپ نے بڑی جرأت سے کام لے کر
متنازعہ فیہ مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔
یہ کام واقعی توجہ کا مستحق ہے۔"

(ڈاکٹر) حکم چند نیر
صدر شعبۂ اردو
بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس

انتساب

جناب جگبیر پرشاد استھانا (پی آئی اِس)

کے نام

جن کی اجازت اور عنایت سے مجھے تحصیلِ علم کے مواقع ملے

8, Faizabad Road

Lucknow

23.10.68

My dear Ansar Ullah,

.........It is so good of you to have thought of me and in such affetionate terms, Please accept my congratulations on your success in your maiden venture. I hope, wish and pray that your book may be acclaimed in the concerning circles and be the precursor of many more books to came from your pen....

Yours Sincerely

J. P. Asthana

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"جب پرنسپل عبداللہ یوسف علی نے مجھ سے اُردو کے آغاز اور قدامت کے موضوع پر لکھنے کے لیے ارشاد کیا تو میں نے اُن سے عرض کی تھی کہ مضمون اگرچہ دلچسپ ہے لیکن اس پر ہماری موجودہ معلومات کی روشنی میں قلم اُٹھانا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے اور صحیح اطلاعات کی بہم رسانی کے لیے شاید ابھی ایک عرصہ درکار ہوگا" (پنجاب میں اُردو ص ۱۷)

حافظ محمود خاں شیرانی کی تحقیقی بصیرت مسلّم ہے لیکن اقتباسِ بالا میں انھوں نے جو فرمایا ہے قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتا۔ مواد کی کمی نہ جب تھی اور نہ اب اس میں کوئی بڑا غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔ اس بات کی ضرورت جب بھی تھی اور اب بھی ہے کہ موضوع سے متعلق زیادہ غور و فکر کیا جائے۔ قیاسات اور روایات کے بجائے واقعات پر نظر کی جائے۔ یہاں ایک واقعہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آج سے تقریباً سولہ برس پہلے مجھے پہلی مرتبہ اُردو کے بے مثال محقق عالی جناب قاضی عبدالودود صاحب (بیرسٹر ایٹ لا پٹنہ) کی خدمت میں شاگردانہ

حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ایک مسئلہ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے میں نے گارسن دتاسی کا حوالہ دیا۔ قاضی صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ ایک دم بیٹھے ہو گئے اور فرمایا کہ:

"گارساں اُردو جانتا ہے۔ بھئی میں آپ سے پوچھتا ہوں، بولیے گارساں اُردو جانتا ہے؟"

یہ بات کچھ گارساں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ مستشرقین نے جس خلوص محنت اور لگن کے ساتھ زبانِ اُردو کے بارے میں تحقیقی کام کیے ہیں، وہ بغیر کسی شک و شبہ کے لائقِ صد ستایش بلکہ قابلِ رشک ہے۔ لیکن اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زبان کے بارے میں اُن کی معلومات محدود اور ناقص رہی ہیں۔ اُن کی تحقیقات کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ اُردو کی ابتدا سے بحث کرتے ہوئے مستشرقین کے نتایج تحقیق کو حدیث و آیت کا درجہ دے دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ ہمیں خود حقایق کی جستجو کرنی چاہیے۔

بزرگانِ دہلی اپنے شہر کو اُردو کا "مولد" کہتے آئے ہیں لیکن تحقیق کرنے والے کو اِس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ اس میں اُن کے جذبۂ تفاخر کو بھی دخل ہو سکتا ہے۔ اُن کی زبانی روایات تحقیق کے نقطۂ نظر سے کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتیں۔ لیکن یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ اُردو میں اُن روایات کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی رہی ہے۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کی تحقیق کا ماحصل خود اُن کے لفظوں میں یہ ہے:

"نواحِ دہلی کی بولیاں اُردو کا اصل منبع اور سرچشمہ ہیں اور حضرتِ دہلی اِس کا صحیح مولد و منشا۔" (مقدمۂ تاریخِ زبانِ اُردو ص ۲۶۴)

موصوف نے اپنے ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے خود ہی فرمایا ہے:-

"قواعد کی کمی کو کسی حد تک اُن لسانی نوٹوں سے پورا کیا گیا ہے جو راقم السطور نے دہلی کے مضافات سے مختلف ذرایع سے حاصل کیے ہیں۔"

(ایضاً ص ۲۴۵)

بہت بدیہی ہے یہ حقیقت کہ جب ماخذ "دہلی کے مضافات" کی بولیاں ہونگی تو نتیجہ بجز اس کے اور کچھ بھی نہیں سکتا تھا کہ جو نکلا رہوا۔

حقیقت کی جستجو وسیع تر فضا میں کی جانی چاہیئے اور سارے امکانات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اِس سلسلے میں حضرت خواجہ امیر خسروؒ نے اپنے عہد کی مختلف زبانوں کے بارے میں جو کہا ہے اُسے پیشِ نظر رکھیں تو حقیقت تک پہونچا جا سکتا ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں ؎

من چو زہندم بود آں بہہ کہ کسی

از محلِ خویش بر آرد نفسی

ہست دریں عرصہ بہر ناحیتی

مصطلحی خاصہ نہ از نہ عاریتی

سندی و لاہوری و کشمیری و کبر

دھور سمندری و تلنگی و گجر

معبری و گوری و بنگالی و آوده

دہلی و پیرامنش اندر ہمہ حد

ایں ہمہ ہندویست کہ ز ایام کہن

عامہ بکار است بہر گونہ سخن

(نہ سپہر، مرتبہ محمد وحید مرزا، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۴۸ء، ص ۱۸۰)

اِن شعروں سے جو امور پوری صراحت کے ساتھ سامنے آتے ہیں، مجملاً یہ ہیں۔

۱۔ "ہندوی" اُن مختلف بولیوں کا مشترکہ نام ہے جن کا ذکر خواجہ نے کیا ہے۔

۲۔ "ہندوی" سے کوئی الگ اور منفرد زبان بجز اُن کے جو مذکور ہوئیں مراد نہیں ہے۔

۳۔ اَوَدھی کی حیثیت اُس زمانے میں تسلیم شدہ تھی اور یہ اُن بولیوں میں سے ایک تھی جو ہندی یا ہندوی کہلاتی تھیں اور جن کی یہ حیثیت تھی کہ ع

(مصطفٰی خاصہ، نہ آنہ عادیتی)

۴۔ خواجہ نے کھڑی بولی، ہریانی اور برج وغیرہ کا نام نہیں لیا ہے یعنی اُس زمانے تک اِن بولیوں کا وجود نام کی حد تک نہیں ہو سکا تھا۔

۵۔ خواجہ نے زبانِ دہلوی کا ذکر کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ اِس سے مضافاتِ دہلی کی مختلف بولیوں میں سے کوئی ایک مراد ہو، باقی کو زمانۂ ما بعد میں وجود حاصل ہوا ہو۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زبانِ دہلوی اِن مختلف بولیوں کے مجموعہ کا نام ہو۔ حقیقت جو بھی رہی ہو، بہر حال اِتنی بات یقینی ہے کہ مضافاتِ

دہلی کی مختلف بولیوں کے مقابلے میں آودھی کو انفرادی اور مستقل حیثیت پہلے حاصل ہو چکی تھی۔ اِس سلسلے میں ذیل کا اقتباس توجہ طلب ہے:

"پروفیسر تھیل بلوک کی رائے ہے کہ اولین سلاطین کے عہد کی دہلی کو تمدنی اور لسانی اعتبار سے ہندوستان میں بہت زیادہ مرتبہ حاصل نہ تھا اُس وقت اِس کی حیثیت تمدنی مرکز کے بجائے فوجی چھاونی کی زیادہ تھی۔"

(مقدمہ تاریخ زبان اُردو ص ۱۲۲)

پروفیسر مسعود حسین خاں نے یہ بات نقل کرنے کے بعد اِس سے اختلاف کا اظہار نہیں کیا ہے البتہ انھوں نے ایک سے زاید بار یہ بات کہی ہے:

"سولھویں صدی عیسوی سے قبل کے ادبی نمونے شمالی ہند کی کسی بولی میں نہیں ملتے۔" (ایضاً ص ۱۲۷)

ایک دوسری جگہ اُنھوں نے یہی بات اِس طرح دہرائی ہے:

"دراصل ہندوستان کی جدید بولیوں کی پیدائش صحیح معنوں میں ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ خاص طور سے ادب نے ابھی انہیں منہ نہیں لگایا تھا۔ اِسی لیے ان زبانوں کے مستند نمونے سولھویں صدی سے زیادہ پُرانے نہیں۔" (ایضاً ص ۱۲۱)

یہ بات دہلی اور مضافاتِ دہلی کی حد تک تو صحیح ہو سکتی ہے لیکن آودھی میں ملّا داود اپنی کتاب "چنداین" ۷۷۹ھ مطابق ۱۳۷۷ء میں لکھ چکے تھے۔

برس سات سے ہوے اُنا اسی ۷۷۹ تہیا یہ کبی سرسے بھا سی

اور اس کے بعد سے اِس زبان میں تصانیف کا غیر منقطع سلسلہ ملتا ہے یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مُلّا داؤد یقینی طور سے اودھی کے پہلے شاعر نہیں ہیں اُنھوں نے "چنداین" میں کہا ہے ؎

اور گیت میں کروں نہتی میس نائے کر جوڑ

ایک ایک بول مونت جس یہ وا کہوں جو ہیرا توڑ

(میں سر جھکا کر ہاتھوں کو جوڑ کر یہ گیت بناتا اور سناتا ہوں۔ ایک ایک بات میری موتی کی طرح درخشاں بلکہ ہیرا توڑ ہے) (بحوالہ معاصر ۱۶/۷۲)

شاعر کی یہ خودستائی بجائے خود اِس حقیقت پہ دلالت کرتی ہے کہ اُس کے سامنے بعض دوسرے لوگوں کی تخلیقات بھی تھیں جن کے مقابلے میں وہ اپنے کلام کو رتبت تر بتاتا ہے اور جن پہ وہ اپنی کاوش کی فوقیت ظاہر کر رہا ہے مُلّا داؤد سے کافی پہلے خواجہ امیر خسرو خود کو "ہندوی" کا صاحب دیوان شاعر کہتے تھے۔ وہ اودھی کی مستقل حیثیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کا بیان یہ بھی ہے کہ اُن سے پہلے خواجہ مسعود سعد سلمان بھی "ہندوی" کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ اگرچہ یہ دعویٰ کرنا قبل از وقت ہے کہ یہ دونوں "ہندوی" سے اودھی ہی کا ہی مراد لے رہے تھے لیکن اِس طور پر بھی مسئلہ پر غور کر لینے میں کچھ قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ خصوصاً اِس لیے کہ دوسری جدید بولیوں میں اُس زمانہ تک کوئی ادبی نمونہ نہیں ملتا اور اِس اعتبار سے اب تک کی معلومات کے مطابق اودھی کا تقدم مسلّم ہے۔

عرض کیا گیا ہے کہ "مواد" کی کمی اتنی اہم بات نہ تھی جتنی یہ بات کہ ہم حقائق کو اُن کی صحیح صورت میں دیکھنے کے لیے خود کو ابھی تک آمادہ نہیں کر سکے ہیں اسی لیے اُردو کی ابتداء کا مسئلہ اب تک اختلافات میں اُلجھا ہوا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے جن شعراء کے یہاں زبان کے قدیم ترین نمونے تلاش کیے ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔

خواجہ امیر خسروؒ — کبیر — گرو نانک

ملک محمد جائسی — تلسی داس — سور داس

ان میں بجز سورداس کے کوئی بھی بنیادی طور سے برج بھاشا کا شاعر نہیں ہے۔ لیکن مولانا نے بحث کی ابتداء اِس مفروضہ سے کی تھی۔

"اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی"

(آبِ حیات)

اور تمام تر دلایل اسی کی خاطر فراہم کرتے ہیں اُنھوں نے اپنی توجہ کو مرکوز رکھا ہے حالاں کہ کم از کم کبیر تو ایک ایسا شخص ہے جس کا واضح لفظوں میں اعلان ہے کہ:

میری بولی پوربی تا ہے نہ چینہے کوے
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوے

یعنی اُن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اُن کی زبان سے صحیح لطف وہی اٹھا سکتا ہے جو پورب کا رہنے والا ہے۔ غیر شخص اس کی قدر نہیں کر سکتا۔

حافظ محمود خاں شیرانی نے مذکورہ شعرا کے علاوہ جن بعض بزرگوں

کے یہاں زبان و شعر کے قدیم نقوش کا ذکر کیا ہے یہ ہیں:۔
شیخ شرف الدین یحییٰ منیری۔ شیخ قطبن
شیخ عبد القدوس گنگوہی اور شیخ عثمان غازی پوری
ڈاکٹر شوکت سبزواری نے لکھا ہے:
"مولانا شیرانی نے اپنی قابلِ قدر کتاب میں اردو کا ارتقاد کھاتے ہوئے قطبن اور شیخ عثمان وغیرہ شعراء کا کلام پیش کر دیا ہے۔ مولانا اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ اودھی کے شاعر تھے۔ ان کا کلام اَودھی میں ہے۔"
(داستان زبانِ اردو ص ۲۰۱)
یہاں حضرت عبد القدوس گنگوہی کے متعلق یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے کہ وہ خود اپنے دادا کا نام اس طرح لیتے ہیں:
"حضرت صفی الملتہ رودولوی رحمتہ اللہ"
خود بھی رودولی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے "رشد نامہ" وہیں مکمل کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس میں اُن کا جو بھی "ہندی" کلام ہے وہ اَودھی بھاکھا ہی میں ہے۔ لیکن یہ سب ایسی حقیقتیں ہیں جن کی طرف توجہ کرنا بھی کسی وجہ سے سہی، ہمیں گوارا نہیں ہوا ہے۔ پروفیسر شیرانی مرحوم نے شیخ گنگوہ کا کلام ذیل کے عنوان کے ساتھ نقل کیا ہے:۔
"سرود در پردہ پوربی" (پنجاب میں اردو ص ۱۸۸)
لیکن اس کے باوجود اُن کی زبان کی بابت انھوں نے جو رائے ظاہر کی ہے یہ ہے:۔

"وہ اپنے ہندی اشعار ایسی زبان میں لکھتے تھے جو برج کے مماثل تھی"

(البصاص ص ١٩)

لیکن "پوربی" یا اودھی کا نام بھی نہیں لیا اور سارا زورِ تحقیق اس ادعا کو صحیح ثابت کرنے پر صرف کیا ہے کہ:

"اُردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے، بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چوں کہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں"۔

(پنجاب میں اُردو ص ١٩)

اور اس طرح اُردو کا تعلق پنجاب سے ثابت کر کے دکھا دیا۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کا زمانہ اُن کے بعد کا ہے۔ اُس وقت تک معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہو چکا تھا۔ شیخ منجھن کی مدھو مالتی کا ذکر مولوی عبدالحق ان لفظوں میں کر چکے تھے۔

"گلشنِ عشق نصرتی کی سب سے پہلی تصنیف ہے جس میں منوہر و مدمالتی کے عشق کا فسانہ بیان کیا گیا ہے... یہ قصہ اس سے قبل بھی تحریر میں آ چکا تھا ایک صاحب شیخ منجھن نامی تھے اِسے ہندی میں لکھا تھا"۔

(ملا نصرتی مطبوعہ کراچی ص ١٩ سنہ ١٩٦١ء)

مولانا کے پیشِ نظر منجھن کی "مدھو مالتی" نہ تھی لیکن ہندی میں یہ کتاب ایک سے زاید بار چھپ کر شایع ہو چکی تھی ع۵ اس کے

ع۵ فٹ نوٹ صفحہ ١٨ پر دیکھیے

علاوہ حضرت نصیر الدین اودھی (معروف بہ چراغ دہلی) اور حضرت سید محمد جونپوری وغیرہ کے نام بھی اُردو کے مورخین لینے لگے تھے (دیکھو اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام از مولوی عبدالحق) لیکن غالباً اُردو میں اس تحقیق کا مقصد متعین تھا یہاں اودھی یا کھڑی کے شاعروں کو بھی مضافات دہلی "کی بولیوں کا شاعر ظاہر کرنا ناگزیر سمجھ لیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر عثمان غازیپوری کا ذکر ایک جگہ اس طرح کیا گیا ہے:

" برج بھاشا میں شاعری کرنا رحیم اور عثمان کی طرح ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔" (مقدمہ تاریخ زبان اُردو ص ۱۶۷)

اور دوسرے موقع پر عثمان کے حوالے سے برج کے حلقۂ اثر کی وسعت کا بیان بایں طور کیا گیا ہے:۔

" شاہجہاں کے عہد تک برج بھاشا منجھ منجا کر شمالی ہند کے بڑے حصے کی واحد ادبی زبان بن جاتی ہے۔ پنجاب سے لے کر بنارس تک اسی کا دور دورہ تھا۔ غازی پور کے عثمان برج کے مشہور شاعر ہیں جو جہانگیر کے عہد میں ہوئے" (ایضاً ص ۱۶۱)

(ع صفحہ، اکانٹ نوٹ) اس کتاب کو غالباً سب سے پہلے ہندی کے مشہور محقق ناتا پرشاد گپت نے مرتب کر کے شایع کیا تھا۔ ان کے بعد اُدم پرکاش صاحب نے پھر ڈاکٹر شیو گوپال مشر نے بھی اس کتاب کو شایع کیا اُردو میں کم از کم راقم کے علم کی حد تک یہ کتاب ابھی شایع نہیں ہو سکی ہے۔"

دہلی اور مضافات کی بولیاں ہمارے ذہنوں پر اس طرح مسلط رہی ہیں کہ ہم عام طور پر اُنھیں کو "علم" سمجھتے آئے ہیں چنانچہ پروفیسر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں:۔

"جائسی کی پدماوت اور تلسی داس کی رامائن کو چھوڑ کر اُس عہد کا جو بھی قابلِ قدر اور گراں مایہ ادب ہے سب برج بھاشا میں ہے۔" (النیاً ص ۱۵۵)

اور یوں "پورب" کے تمام شاعروں کے کلامِ استناد کے باوجود اردو کا مولد "حضرتِ دہلی" کو مانتے آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے دعوے مقدر رضات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، واقعات کو سامنے رکھ کر تحقیق کا سلسلہ اب شروع کرنا ہے۔

جدید زبانوں کے بارے میں ہماری واقفیت نہ ہونے کے برابر ہے ہم اب تک سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرتے آئے ہیں۔ کوئی لفظ کس زبان کا ہے اور کس زمانے سے اُس کا رواج ملتا ہے۔ اس بارے میں بھی اب تک ہم محض ذاتی معلومات کی بنا پر فیصلے کرتے رہے ہیں۔ مثلاً" کہا گیا ہے:ؔ

ؔ اس بات کے کہنے کی غالباً ضرورت نہیں ہے کہ "پدماوت" ملک محمد جائسی کی واحد تصنیف نہیں ہے، اِسی طرح تلسی داس نے بھی "رام چرتر مانس" کے سوا بھی کچھ نہ کچھ ضرور لکھا تھا۔ اس اقتباس میں جو حکم صادر کیا گیا ہے اُس میں ان تصانیف کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔

"فائز کے یہاں بعض الفاظ ایسے ملتے ہیں جو اُردو شاعری کی روایت میں دلّی سے پہونچے تھے۔ مثلاً سریجن، پریتم، وسنا، سجن" (قصہ مہر افروز ص ۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب لفظ شمالی ہندوستان میں "پدماوت" سے لے کر "ہنس جواہر بھاکھا" تک کی تمام اودھی تصانیف میں استعمال ہوئے ہیں بلکہ پدماوت سے پہلے کی اودھی بھاکھا کی تصانیف میں بھی اِن کا استعمال مل جانا تقریباً یقینی ہے۔ اِن کو "دکنی" سمجھنا صحیح نہیں۔ اسی طرح لفظ "بھوئیں" یا "بھوئیں" کی بابت کہا گیا ہے:

"بھوئیں۔ پنجابی = زمین" (کربل کتھا مطبوعہ ۱۹۶۵ء ص ۱۶۲)

بعد میں مرتبینِ "کربل کتھا" کو کسی ذریعہ سے آگاہی ہوئی تو انھوں نے "استدراکات" کے تحت یہ اضافہ کیا۔

" بھوئیں قدیم اُردو میں مستعمل ہے" (الیقاً ص ۳۸۲)

"قدیم اُردو" سے کون سی جدید بولی مراد لی جاتی ہے کم از کم راقم اِس بارے میں کوئی قطعی بات کہنے سے قاصر ہے۔ بہرحال یہ لفظ اودھی کی قدیم تصانیف میں عام طور سے ملتا ہے۔

الفاظ کے متعلق حکم لگانا جب ذاتی معلومات پر ہی منحصر ہو تو "تحقیق" (اگر اِس لفظ کے اِس طور پر استعمال کو صحیح سمجھا جا سکتا ہو) کا راستہ نہایت آسان ہو جاتا ہے مثال کے طور پر لفظ "گھالنا" کے بارے میں ایک موقع پر جس خیال کا اظہار کیا گیا یہ ہے:۔

"خود پنجابی میں 'تا' کے ساتھ 'ن' بھی بطور علامتِ مصدر

ملتا ہے مثلاً "گھالنا اور گھالن" (مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۰۷)

اسی کتاب میں فاضل مصنف نے صرف چند صفحوں کے بعد اسی لفظ کی بابت جو فرمایا ہے :۔

"گھالنا قدیم دکنی کا عام مستعمل فعل ہے۔ اس کی شکل دہلی کے محاوروں میں دیکھیے۔ ایک تو گھر گھالو اپنا دوسرے پاس پڑوس"۔

(ایضاً ص ۲۶۱)

وہاں پنجابی کا ذکر تھا اس لیے وہ بات کہی گئی اور یہاں "حضرتِ دہلی" کی طرف توجہ تھی۔ چنانچہ یہ حکم لگا دیا گیا۔ اس طرح یہ تجزیہ کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ اُردو لسانیات زبان میں زمانی اور مکانی بُعد کے سبب سے پیدا ہونے والے فرق کو بھی محسوس کرتے ہیں بُری طرح ناکام رہی ہے "معراج العاشقین" نام کے ایک رسالہ کو غلطی سے حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل نے ۱۹۶۸ء میں ایک رسالہ "معراج العاشقین کا مصنف" شایع کیا اس میں انھوں نے جو فرمایا ہے یہ ہے کہ :۔

"متعدد شہادتوں سے رسالۂ معراج العاشقین گیارہویں صدی ہجری کے اواخر اور بارہویں صدی ہجری کے آغاز (سترھویں صدی عیسوی کے اواخر) کی ایک شخصیت کی تصنیف ثابت ہو گیا"۔ (ص ۱۰۴)

اس کے دو برس کے بعد ۱۹۷۰ء میں "مقدمۂ تاریخ زبانِ اُردو" کا چوتھا ایڈیشن "بعد نظر ثانی و اضافہ" شایع ہوا تو اُس وقت بھی اس میں رسالۂ مذکور کا ذکر تک نہیں آیا اور معراج العاشقین کی بابت جو کچھ کہا گیا یہ ہے۔

"اردو زبان کے ارتقا کے سلسلے میں سب سے مستند نقش حضرت گیسو دراز کی معراج العاشقین ہے جو ۱۴۲۱ء [?] اور ۱۴۲۲ء [?] کے درمیان کی تصنیف ہے۔ ہم حضرت گیسو دراز کی زبان کے متعلق یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ چودھویں صدی عیسوی کی زبانِ دہلوی کی نشاندہی کرتی ہے۔ معراج العاشقین کے لسانیاتی تجزیہ کا ماحصل یہ ہے۔ کاڑا (جو شاندہ) تذکیر، ہمای، ہور (اور) یہ پنجاب اور کھڑی تک میں ملتا ہے۔" (ص ۱۳۶ تا ۱۴۰)

ضرورت اس بات کی تھی کہ لفظ "کاڑا" کی بابت یہ معلوم کیا جاتا کہ یہ حضرت دہلی میں چودھویں پندرھویں صدی عیسوی میں جوشاندہ کے معنی میں کبھی بولا بھی گیا تھا یا نہیں اسی طرح دوسرے لفظوں کی بابت بھی سند تلاش کرنی ضروری تھی اور اسی طرف سے اردو کی لسانیاتی بحثوں میں عام طور سے بے نیازی یا بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بات بغیر سند کے کہی جائے گی کم از کم تحقیق میں اس کی اہمیت صفر سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور اس سلسلے میں ضروری ہے کہ ہمارے پاس مختلف مقاموں اور زمانوں کی قابلِ اعتماد اور لائق استناد فرہنگیں ہوں۔

اردوئے قدیم سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے دسویں صدی ہجری (سولھویں صدی عیسوی) کے وسط کا زمانہ خصوصاً اہم ہے۔ اسی زمانے سے دکن میں شعر و ادب کے قابل قدر نمونے ملنے شروع ہوتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں بھی یہ زمانہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ مغلوں کی حکومت کو اسی زمانے میں استحکام حاصل ہوا اور حکومت کے استحکام کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں

میں استقلال کی صورت پیدا ہوئی۔ اسی زمانے سے شمالی ہندوستان کی مختلف "جدید بولیوں" میں بھی ادبی نمونے ملنے شروع ہوتے ہیں۔ اور اسی کے باکمال شاعر ملک محمد جائسی نے اسی زمانہ میں "پدماوت" لکھی تھی۔ راقم سطور نے کتاب کی اہمیت بپیش نظر اپنی ضرورتوں کے لیے اس کی مختصر فرہنگ تیار کی تھی مولانا زماں مخدومی نے جو میرے مخلص اور محسن ہیں ہمت افزائی کی چنانچہ اسس کو شایع کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ "پدماوت" کے قدیم ترین نسخے اردو خط ہی میں ملتے ہیں لیکن محرومی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو "غیروں" کی چیز سمجھا، اردو میں اب تک اس کا کوئی ایسا ایڈیشن شایع نہیں ہو سکا ہے جسے تدوین کے جدید اصولوں کے مطابق معیاری کہا جا سکے۔ البتہ انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں منشی احمد علی رسا صاحب نے کتاب کے متن کی تصیح کر کے اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا تھا۔ بعض مقامات پر مختصر حاشیے بھی لکھ دیے تھے۔ اس کو شیخ محمد عظیم اللہ نے ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ان سے خرید لیا اور اپنے مطبع عظیمی کانپور سے اسی سال اس کو چھپوا کر شایع بھی کر دیا۔ اس میں بعض وہ بند جن کو الحاق تسلیم کر لیا گیا ہے نہیں ہیں۔ اس لیے اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

میرے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ کسی خوش مذاق کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے جس نے اغلاط کتابت کی تصحیح بھی کر دی ہے۔ بعض مقاموں پر خود کچھ توضیحی اشارے بھی قلمبند کر دیے ہیں اس طرح یہ نسخہ بڑی حد تک غلطیوں سے پاک ہو گیا ہے۔ اس فرہنگ میں جہاں کہیں "پدماوت" کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے

اسی نسخے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

کہا جا چکا ہے کہ یہ فرہنگ میں نے ذاتی مطالعہ کے لیے تیار کی تھی اِس لیے کتاب تمام الفاظ پر حاوی نہیں ہے۔ الفاظ کو بہ لحاظ حروفِ تہجی مرتب کیا ہے ایک لفظ کتاب میں مختلف اِملا اور تلفظ کے ساتھ آیا ہے بشیتر اِن سب کو قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہر جگہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ متداول لغات میں اُس لفظ کے جو معنی آتے ہیں اُن کی اہمیت مسلّم، لیکن ہمارا مقصد "لغت" مرتب کرنا نہیں تھا اِس لیے عام طور سے وہی معنی لکھنے پر اکتفا کیا ہے جو کتاب میں مطلوب ہے اور اِس مقصد کے لیے ایک شعر بھی بطور سند کے پیش کرنے کا التزام کیا ہے۔ جہاں ایک ہی لفظ کا دوسرا تلفظ بہت مختلف آیا ہے یا معنی میں بہت زیادہ فرق ہوا ہے وہاں ایک سے زاید شعر بھی دیے گئے ہیں لیکن ایسے مقامات کم تر ہیں "بدمادت" کے مترجم نے کسی لفظ کی بابت جو لکھا ہے اُسے بھی حسب موقع نقل کر دیا ہے اِسی طرح اُردو کے علمائے لسانیات نے کسی لفظ کی بابت جو خیال ظاہر کیا ہے وہ بھی تحریر کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ سب محض ضمنی امور ہیں اور اِس بارے میں بھی التزام کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اشعار کا متن اور الفاظ کا اِملا مِن وعَن وہی لکھا ہے جو زیرِ نظر نسخے میں ہے۔

میری یہ کوشش بالکل ابتدائی نوعیت کی ہے۔ اِس میں غلطیاں بہ کثرت ہوں گی لیکن اگر میری یہ غلطیاں اہلِ علم حضرات کی توجہ سے صحیح تر حقائق کے سامنے لائے جانے کا سبب بن سکیں تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت کامیاب ہو گئی۔

پیر و مرشد حضرت خواجہ سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری مدظلہ العالی، سجادہ نشین آستانۂ مخدوم اللّٰہی گڑھ پہ شریف میری ان علمی کاوشوں پر پسندیدگی کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ میں حضرتِ موصوف کی ان بزرگانہ شفقتوں کے لیے نہایت شکرگزار ہوں۔

آخر میں اپنے کرم گستر حکیم سید ظل الرحمٰن صاحب (طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو علمی معاملات میں اکثر میری ہمت افزائی فرماتے ہیں۔

محمد انصار اللہ

شعبۂ اردو
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

جمعہ ۲۹ - ۹ - ۱۹۷۲

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۴۱ء میں انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی نے جناب سید کلب مصطفےٰ کی
کتاب "ملک محمد جائسی" شایع کی تھی جس میں اودھی کے اِس باکمال شاعر کے
"حالاتِ زندگی" کے علاوہ "تصانیف" کا بھی مجملاً تعارف کرایا گیا ہے۔ فاضل مصنف
نے اِس کتاب کے بارے میں لکھا تھا یہ ہے:-

"جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ محض تمہید کے طور پر ہے اور اِس لیے کہ شاید سمندِ ناز
کے لیے تازیانہ ہو سکے۔" (حاشیہ ص ۵)

لیکن یہ "بھاری پتھر" تھا چوم کر چھوڑ دیا گیا۔ اُردو میں کتابِ مذکور کے بعد چند
مضامین کے سوا کوئی بڑا قابلِ ذکر کام اِس موضوع سے متعلق کم از کم راقم کے علم میں نہیں
ہے۔ ہاں سُنی سنائی باتیں جن میں بیشتر بے اصل ہوتی ہیں موقع بے موقع مکرر
دہرائی گئی ہیں۔ بہر حال ملک محمد جائسی کے حالات اُردو میں بہت کم ملتے ہیں۔ اپنے
مسکن کے بارے میں شاعر نے جو کہا ہے یہ ہے ؎

جائس نگر مور استھانو ۔۔ نگر کے ناؤں آدی اُدیانو

(آخری کلام)

اور ؎

جائس نگر دھرم استھانو ۔۔ تہاں جائے کب کینہ بکھانو

اِن بیانوں سے اپنے مسکن کے ساتھ شاعر کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جائس

ضلع رائے بریلی کا ایک قصبہ ہے۔ اسی ضلع کا ایک قصبہ ڈلمئو نگر بھی ہے جسے
ملّا داؤد مصنف "چندائن" کے مسکن ہونے کا فخر حاصل ہے؂

ڈلمئو نگر بسے نور نگا اوپر کوٹ تھے بہے گنگا

حیرت ہے کہ ملک محمد جائسی نے داؤد یا اُن کی "چندائن" کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

سید کلب مصطفیٰ صاحب کے خیال کے مطابق ملک محمد جائسی:

"محمد ظہیر الدین بابر شاہ کے عہد میں سنہ ۹۰۰ھ مطابق سنہ ۱۴۹۵ء میں
پیدا ہوئے۔" (ص ۱۷)

سید صاحب کے پیش نظر خود شاعر کا یہ قول بھی رہا ہے کہ:

بھا اوتار مور نو صدی

اس سے زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ شاعر سنہ ۹۰۰ھ سے پہلے کسی زمانے
میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنے شروع زمانے کے حالات جس طور پہ بیان کیے
ہیں یہ ہیں؂

آوت اُدھت چار بدھ ٹھانا بھا بھوکنپ جگت اکولانا
دھرتی دینہ چکر بدھ بھائیں پھرے اکاس ارھٹ کے نائیں
گری پہاڑ مودن تِس ہالا جس چالا چھلنی بھر چالا
مرت لوک جیون رچا ہنڈولا سرگ پتال پَون گھٹ ڈولا

؂ ڈاکٹر ہریشور دی لال گپتا:

ڈلمئو نگر بسے نو رنگا اوپر کوٹ تلے بہی گنگا

گری پہاڑ پربت ہل گیے ساتِ سمند ریچ مل گیے
دھرتی پھاٹ چھپات بھرانی پُن بھئی میا جو سشٹ دکھانی
جو اس کھمبہ پاہی سے سہس جیبہ گہرائیں
سو اس کینہ محمد! تو ہی اس اپورے کائیں
(آخری کلام)

اِسی کتاب میں اُس نے ایک اطلاع یہ بھی دی ہے کہ

سورج سیوک یا کے رہے آٹھو پہر پھیرت جو رہے
(ایضاً)

پروفیسر سید حسن عسکری نے ملک محمد جائسی کے اِن بیانات کے سلسلے میں
لکھا ہے:

"بدایونی اور صاحب مخزن افاغنہ نے ۹۱۱ھ میں آگرہ اور نواح میں
ایک شدید زلزلہ کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر کمل کلبر شٹ نے ۹۱۱ھ میں
گرہن کا پتہ لگایا ہے۔" (معاصر ۱۹۴/۱)

مذکورہ اشعار میں زلزلہ اور سورج گرہن کا ذکر اس طرح آیا ہے گویا یہ شاعر کے ہوش
کی باتیں ہوں۔ "آخری کلام" کی ترتیب ۹۳۶ھ مطابق ۱۵۲۹-۳۰ء میں عمل
میں آئی۔

بارہ شاہ چھتر پتی نو سے چھتیس جو بھئی

مجموعہ کا یہ نام اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ اُس وقت شاعر اپنی عمر کی آخری
منزلوں میں تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر کم از کم پچاس برس سے متجاوز ہونی
چاہیئے۔ "پدماوت" ۹۴۷ھ میں لکھی گئی۔

سنہ نو سے سیتا رس آہے   کتھا آرنبھ بین کب کہے

اُس وقت شاعر نے خود اپنی بابت جو کہا ہے یہ ہے :-

بردھ بیس جو بھئی   جوبن ہت سوا وستھا گئی

بل جو گیو بھا کہین سریر   دشٹ گئی نینہ دیے نیر

دسن گیے کے تجا کپول   بین گئے اتر پچ دے بول

بدھ جو گیے دیے ہیہ بورای   گرب گیو تر ہت سر نای

سردن گئے اونچ جو سنا   سیاہی گئے سیس بھا دھنان

بھنور گیے کیہ دے نیر   جوبن گیو جیت دے جو ا

جو لہ جیون جوبن ساتھاں   پُن سو پنیچ یہ اسلے ہاتھاں

بردھ جو بیس ڈولائی سیس، دھنے تنہ رسیس

بوڑھے آدھی ہو ہ تم کین یہ دینہ اسیس

یعنی شاعر کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ وہ طولِ عمر کی دعا کو بھی برا سمجھنے لگا تھا اور موت کی تمنا کرتا تھا۔ اس زمانے میں اس کی عمر ستر برس کے قریب تو ہونی ہی چاہیئے۔

شاعر نے اپنی مشہور تصنیف اکھر وتی ۱؎ اکھراوت، سنہ ۹۱۱ھ مطابق سنہ ۱۵۰۴ء میں مکمل کی تھی اور اس کا قول ہے کہ :-

بھا اوتار مور نو صدی   تیس برکھ کبی بدی

اب اگر یہ خیال کریں کہ وہ اس کے تصنیف کے وقت

بڑا شاعر ہو چکا تھا[عہ] تو اُس کی ولادت کا زمانہ ۸۸۰ھ سے پہلے کا تسلیم کرنا ہوگا۔ اِس طرح اُس کی عمر "آخری کلام" کی ترتیب کے وقت چھپن سال سے زاید اور "پدماوت" کی تصنیف کے وقت ستر سٹھ برس سے متجاوز رہی ہوگی۔ عمروں کے یہ تخمینے اُس کے مختلف بیانوں سے مطابقت بھی رکھتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ملک محمد جائسی بہت بدشکل تھے، ممکن ہے کہ آخری عمر میں وہ ایسے ہی ہوگئے ہوں لیکن "پدماوت" میں اُنھوں نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہے اُس میں بہت مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اِس مبالغہ کا سبب ظاہر یہی ہے کہ وہ بڑھاپے سے عاجز ہو رہے تھے اور زندگی کو بار سمجھنے لگے تھے۔ اپنے وجود سے بیزار ہو کر موت کی آرزو کرنے لگے تھے۔ ایسی حالت میں

عہ مولوی عبدالحق نے "شارح اکھروتی" کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"ہر کی از اولیا بدیں لسان تکلم می فرمودند تا کہ عہدِ خلافت ایشاں یا محقق مدقق زمرا از ملک محمد جائسی) رسید وی درین زبان بسیاری از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف فرمودہ و یکی از مصنفاتِ وی اکھروتی است" (اُردو کی ابتدائی نشو و نما ص ۹)

اگر اِس بیان پر اعتماد کیا جا سکے تو:۔

۱۔ اودھی بھاکھا کی قدامت ظاہر ہے۔

۲۔ اکھروتی کی تصنیف کے وقت شاعر کا محقق و مدقق ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ شارح نے یہ رائے بنیادی طور پر اسی کتاب کے سبب، قائم کی ہے۔

۳۔ ملک محمد جائسی کی تصانیف کا "بسیار" ہونا ثابت ہے۔

اپنے جسمانی وجود کا ذکر اس طور پر کرنا کہ اُس سے سننے والے کو اکتاہٹ ہو تعجب کی بات نہیں ہے۔ اِس پر لفظاً لفظاً اعتماد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سید کلب مصطفیٰ صاحب نے لکھا ہے:

"چیچک میں اُن کی بائیں آنکھ جاتی رہی تھی، اور بائیں کان سے بہرے ہو گئے تھے، لولے، لنگڑے اور کوزہ پشت بھی تھے" (ص ۲۲)

اگر اِس بیان پر اعتماد کریں تو تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ جوانی میں "ایک نین کے" کبھی نہیں تھے اور بہراپن یا کمر کا جھک جانا وغیرہ سب پیرانہ سالی کے سبب تھا۔ میر حسن دہلوی نے مثنوی "رموز العارفین" میں اُن کی بدصورتی کا ذکر کیا ہے اور اپنی بات میں زیادہ وزن پیدا کرنے کے لیے ایک حکایت بھی نظم کی ہے ؎

تھے ملک نامی محمدؐ جائسی
وہ کہ پدماوت جنھوں نے ہے لکھی

مردِ عارف تھے وہ اور صاحبِ کمال
اُن کا اکبر نے کیا دریافت حال

ہو کے مشتاق اُن کو بلوایا شتاب
تا کہ ہو صحبت سے اُن کی فیضیاب

صافِ باطن تھے وہ مستِ الست
لیک دنیا تو ہے ظاہر پرست

تھے بہت بدشکل اور وہ بدقوا
دیکھتے ہی اُن کو اکبر ہنس پڑا

ہنس پڑے "ماٹی" پہ تم اے شہریار
یا کہ میرے پر بتشبیہ اختیار

(بحوالہ ملک محمد جائسی، حاشیہ ص ۹)

جلال الدین محمد اکبر کا سالِ ولادت ۹۴۹ھ ہے اور وہ ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ ۹۴۷ھ میں شاعر نے اپنا جو حال بیان

کیا ہے اُس کے پیشِ نظر اُس کا اِس کے دو تین سال بعد سے زیادہ زندہ رہنا
قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا، پروفیسر سید حسن عسکری نے لکھا ہے کہ:

" بعد کی ایک روایت کے مطابق ملک محمد جائسی کی وفات ۵۔ رجب
۹۴۹ھ مطابق ۱۵۴۲ء میں تسلیم کی گئی ہے" (معاصر ۹۷/۲)

ایسی صورت میں اکبر کے دربار میں اِس شاعر کے حاضر ہونے کا ہرگز کوئی امکان نہیں
اِس روایت میں زیادہ سے زیادہ اِتنی بات صحیح ہو سکتی ہے کہ اکبر نے کسی سے
اُن کا حال معلوم کیا ہو اور اُس نے تفننِ طبع کے لیے وہ روایت تشادی ہو۔ سید
کلب مصطفیٰ صاحب نے لکھا ہے:

" ایک مرتبہ شیر شاہ کے دربار میں کوئی امیر جو اُن کو پہنچانتا نہ تھا اُن
کے بدصورت چہرے کو دیکھ کر ہنسا تو اُنھوں نے کمال متانت و
سنجیدگی سے پوچھا کہ " ٹیا ہنسیو کہ کُمہرا ؟" یعنی مٹی کا مضحکہ کرتے
ہو کہ کمہار کا (ایضاً ص ۲۱)

یہ روایت البتہ قابل قبول ہو سکتی ہے۔ بہرحال اودھی کا یہ باکمال شاعر
قصبہ امیٹھی ضلع سلطانپور کی خاک میں آسودہ ہے۔

ملک محمد جائسی ایک باکمال صوفی منش شاعر تھے۔ اُن کی تصانیف "بسیار" کہی گیی ہیں۔ تعداد میں اختلاف رائے ہے۔ سید کلب مصطفیٰ صاحب نے لکھا ہے کہ :-

"کچھ بتاتے ہیں کہ سات تھیں کچھ نو بتاتے ہیں اور چند نہ نام بھی گنوائے جاتے ہیں یعنی : اکھراوٹ پدماوت سکھراوت
چنپاوت اترواوت مٹکاوت چتراوت کہرانامہ
موراٸی نامہ مکھرانامہ پوستی نامہ جہرانامہ ہولی نامہ
آخری کلام

"لیکن ان میں سے صرف تین ملتی ہیں : اکھراوٹ ۔ پدماوت اور آخری کلام ۔ باقی کا کہیں پتا نہیں" (ص ۸۳)

پروفیسر سید حسن عسکری نے اودھی بھاکھا کی قدیم تصانیف سے متعلق اُردو میں غالباً سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کی معلومات اور بصیرت مسلّم ہے۔ اُنھوں نے ملک محمد جائسی کی چار تصانیف کا تعارف کرایا ہے یعنی :

اکھراوٹ ۔ کہری نامہ، آخری کلام اور پدماوت

"مہری نامہ" کے اشعار بھی اُنھوں نے نقل کیے ہیں لیکن ہندی کے علماء کو اِس کتاب پر شُبہہ ہے۔ وہ اِس کے بجائے دو اور کتابوں کو ملک محمد جائسی سے منسوب کرتے ہیں یعنی:

مسئلہ نامہ اور کہرنامہ (قہرنامہ)

اِن دونوں کتابوں کو امر بہادر سنگھ امرلیش نے دریافت کر کے اِن کا متن بھی شایع کر دیا ہے۔ "جائسی گرنتھاولی" میں باقی تین کتابیں شامل ہیں یعنی اکھراوٹ، آخری کلام اور پدماوت: اِس طرح ہندی کے علماء اُن کی پانچ تصانیف تسلیم کرتے ہیں۔ اِس امکان سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ آیندہ اُن کی بعض دوسری تصنیفیں بھی دریافت ہو سکتی ہیں۔

اہلِ علم کے معاملات اور معمولات میں "معیار" کو بڑی اہمیت حاصل ہے غیر مستند تو دور رہے، کسی کمتر درجے کے آدمی سے بھی بات کرنے میں اُن کی زبان کے "خراب" ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہ ایک عام بات ہے۔ اِس میں کسی طبقہ یا مسلک کی تخصیص نہیں۔ سلاطینِ دہلی سے وابستہ علماء اور شعراء ہوں یا مختلف ریاستوں سے متعلق بھاٹ شاعر، دونوں کے لیے کسی دور افتادہ علاقے کے عوام کی بول چال کی زبان کو اپنانا اور اُس میں عوام کی دلچسپی کا لحاظ کرتے ہوئے اُن کے مخصوص لب و لہجہ میں شعر کہنا عام طور سے ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ دہلی کے دربار میں عربی اور فارسی کے علماء کا جمگھٹ تھا تو ریاستوں میں سنسکرت اور پراکرت کا سکہ جاری تھا۔ ملک محمد جائسی نے ریاستوں سے متعلق عالموں کا ذکر کرتے ہوئے جو کہا ہے یہ ہے:

سبھے گنی پنڈت اور گیاتا　　　سنسکرت سب کے مکھ باتا

(سب ہنرمند کامل اور صاحب علم تھے، زبانِ سنسکرت میں سب کے منہ کا کلام تھا)

"جدید بولیوں" سے اِن دونوں گروہوں کے عالموں کو کما حقہٗ دلچسپی نہیں تھی۔ چنانچہ اِن میں جو بھی قدیمی سرمایہ ہے اُس سے اِن دونوں کا تعلق نہ

ہونے کے برابر ہے۔

اودھ کا علاقہ دار السلطنت دہلی سے دور بھی تھا اور اہلِ دہلی کے نزدیک یہاں کی زبان قابلِ اعتنا بھی نہ تھی۔ جلال الدین محمد اکبر کے عہد کے مشہور مورخ ابو الفضل نے ہندوستان کی مستقل زبانوں میں افغانی، بلوچستانی اور سندھی وغیرہ کا تو ذکر کیا ہے لیکن اودھی کا نام بھی نہیں لیا (بحوالہ مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۱۲۵) درانحالیکہ اُس وقت تک اس زبان میں قابلِ فخر ادبی سرمایہ فراہم ہو چکا تھا اور اس کی انفرادی اور مستقل حیثیت کی شہادت بہت پہلے خواجہ امیر خسرو دے چکے تھے۔ اس صورتِ حال پر نظر کریں تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اودھی میں جتنے قدیم شاعر ہوئے سب مسلمان صوفی ہی کیوں تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جنھیں اپنے عقاید کے بموجب جو "اولو الامر" تھے اُن سے عقیدت تو تھی (اور اس عقیدت کا سبب یہ تھا کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے بعد اُن کی اطاعت بھی اُن پر فرض کر دی گئی تھی) لیکن عام طور سے یہ دربارِ شاہی کے متوسّل یا وابستگان میں سے نہ تھے۔ع

ع مثال کے طور پر مُلّا داؤد نے "چنداین" میں فیروز شاہ اور اُن کے وزیر خان جہاں مقبول کے صاحبزادے جونا شاہ کا ذکر ضرور کیا ہے لیکن ابھی تک ایسی اطلاع نہیں مل سکی ہے کہ یہ پایۂ تخت دہلی سے باقاعدہ طور سے وابستہ رہے ہوں۔ داؤد کے الفاظ یہ ہیں ؎

پھیروج ساہ دلّی سُرطانا ۔۔۔ جونا ساہ ا[illegible]ر بکھانا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹ پر دیکھیے)

مسلمان صوفیا نے اپنے نظریات اور معتقدات کو مقامی لوگوں پر مسلّط کرنے کو کبھی درست خیال نہیں کیا۔ اُنھوں نے خود مقامی آداب اور معاملات کو سمجھنے کی کوشش کی اور اُن کو بحدِّ مناسب اختیار بھی کیا۔ اِس طرح مقامی آبادی سے قریب تر آنے میں خود اُنھوں نے پہل کی۔ اپنے مسلک اور مذہب کی تلقین کے لیے اُنھوں نے یہاں کے مخصوص حالات کے تقاضوں کو بہر طور ملحوظ رکھا، عوامی طبقہ کی زبانع کو اپنایا۔ اُن کے طرز اور اُن ہی کے آہنگ

(حاشیہ صفحہ ۳۸ سے آگے) اِسی طرح ملک محمد جائسی نے علاء الدین سلطانِ دہلی کے یہاں رشوت کا ذکر کیا ہے جس سے اِس دربار کے بارے میں اُن کی رائے معلوم ہوتی ہے ؎

ٹھاکر کیر بتا سنہ کا جو — جہاں انکور تہاں نیک نہ راجو

اپنے زمانے کے سلطان شیر شاہ کی اُنھوں نے بہت تعریف کی ہے لیکن اِس کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ اُنھیں دربار سے باضابطہ کوئی تعلق تھا۔ اِسی طرح دوسرے شعرا کا بھی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔

ع (حاشیہ صفحہ ہذا) صوفیوں کا مسلک بنیادی طور سے محبت اور اخوت کے اصولوں پر مبنی تھا چنانچہ ملک محمد جائسی نے بھی کہا ہے ؎

جا میں مارگ پریم کا سبے سراہیں تاہ — ترکی، عربی، ہندوی بھاکھا جیتی آہ

(ترکی، عربی، ہندوی بھاکھا جس قدر ہیں، جس بولی میں راہ محبت کی ہے سب اُس کی تعریف کرتے ہیں)

اِسی لیے اِن کو ہندی میں "پریم مارگی" کہتے ہیں۔ اِس شعر سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ملک محمد جائسی کی نظر میں اودھی بھاکھا بھی علمی اور ادبی اہمیت کی حامل تھی اور دوسری مختلف علمی زبانوں کی طرح قدر کی مستحق تھی۔

(اوزان وبحور) کے ساتھ شعر کہے۔ مُلّا داؤد کی "چنداین" کی زبان اور بحر بھی "ہندوی" ہے لیکن اِس میں قافیہ کی پابندی ملتی ہے البتہ ردیف کا وجود نہیں ہے۔ ردیف کا استعمال "پدماوت" میں بھی نہ ہونے کے برابر ہے البتہ کبیرؔ کے کلام میں ردیف کا استعمال ملتا ہے۔ پروفیسر محمود خاں شیرانی نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

"کبیرؔ کی تصنیفات سے بعض ریختہ بھی مشہور ہیں۔ اسی طرح اُس نے فارسی بحروں میں بھی لکھا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ بعض موقعوں پر اُس نے ردیف وقافیہ کی بھی پابندی کی ہے۔" (پنجاب میں اردو ص ۱۸۰)

ردیف کا استعمال شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اودھی کلام میں بھی ملتا ہے۔ یوں بتدریج اودھی شاعری فارسی شاعری کے اصولوں کو اختیار کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس طور پر بھی اودھی شاعری کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے۔

اُن مسلمان صوفیوں نے منافی کردار ور پر مشتمل خالص ہندوستانی ماحول کے مطابق قصّے کہانیوں کو نظم کیا ہے البتہ اِن قصوں میں موقع بہ موقع نصیحت کی ایسی باتیں بھی کہتے تھے جو اُن کے مسلک اور عقیدے سے مطابقت رکھتی تھیں۔ مثال کے طور پر میاں سادھن اپنی تصنیف "میناست" کے ہر بند کے آخری شعر میں اِس کا التزام کرتے ہیں چنانچہ ایک مثال یہ ہے ؎

لیت درب مالن ٹین گئی میناں کے بار

جہ بدھ راکھے ست سوں کون ڈلاوے پار

جرِ راکھے کرتار تاکو بار نہ بانکئی
جو لاگے سنسار سادھُن چھانہہ کی چینھیئی

(روپے پیسے سے کر مالن میاں کے دروازہ تک پہنچ گیی لیکن جس کو خدا رکھے اُس کے قدموں کو راہِ حق سے کون لغزش دے سکتا ہے؟ جس کو مسبب الاسباب رکھنا چاہے اُس کا بال بھی کوی بانکا نہیں کر سکتا۔ اے سادھُن اگر اُس کے پیچھے ساری دنیا پڑ جاے تو بھی اُسے بدی کے سایہ کی شناخت ہو ہی جاے گی)

ملک محمد جالسیی کی "پدماوت" میں بھی ضمناً اکثر مضامینِ عبرت اور مسایلِ تصوف بیان میں آے ہیں۔ اِس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اُن مسلمان صوفی شاعروں کی تصانیف کی زبان، طرزِ بیان بلکہ ہئیت بھی ٹھیٹھ ہندوستانی ہوتی تھی لیکن اِن کی روح اُن کے معتقدات اور نظریات کی مظہر رہی ہے اودھی بھاکھا کو اُن صوفی شاعروں کی کوشش سے ہی علمی ادبی زبان کا درجہ حاصل ہوا تھا۔ انھوں نے اِس زبان کو ترقی دینے کی ہر مناسب کوشش کی تھی، عربی اور فارسی کے الفاظ ہی نہیں، محاورات اور ضرب الامثال کو بھی اپنی زبان میں جگہ دی، تشبیہات، استعارات اور تلمیحات بھی وہاں سے لاے اور اِس طرح اپنی زبان کو وسعت دی لیکن یہ توقع کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کہ اُس ابتدای زمانے میں ماخوذ لفظوں کا تناسب اودھی کے اصل لفظوں کی برابر یا نہ اید رہا ہو گا۔ ملک محمد جالسیی بھی صوفی شاعر تھے

اُن کی تصانیف کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ سید کلب مصطفےٰ صاحب کا بیان ہے کہ:

"ملک محمد جائسی کا لقب "محققِ ہندی" ہے۔" (ص ۲۴)

اِس کی تائید "شارحِ اکھروتی" کے اُس بیان سے بھی ہوتی ہے جو نقل کیا جا چکا ہے۔ ملک محمد جائسی کی زبان کے بارے میں سید صاحب نے لکھا ہے:

"الفاظ کے بے محل استعمال یا قواعد کے اصولوں سے چشم پوشی جائسی کے یہاں بھولے سے نہ ملے گی۔" (ص ۱۸۶)

"پدماوت" اُن کی آخری تصنیف ہے۔ قدرتی طور سے اِس میں اُن کی "تحقیق و تدقیق" درجۂ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اِس کتاب کے بارے میں جو لکھا ہے یہ ہے:

"مسلمان بھی اُس زمانے میں یہاں کی زبان سے محبت رکھتے تھے۔ چنانچہ سولھویں صدی عیسوی شیر شاہی عہد میں ملک محمد جائسی ایک شاعر ہوا، اُس نے پدماوت کی داستان نظم کی، اُس سے عہدِ مذکور کی زبان ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان اِس ملک میں رہ کر یہاں کی زبان کو کس پیار سے بولنے لگے تھے۔ اِس کی بحر بھی ہندی رکھی ہے اور ورق کے ورق اُلٹتے چلے جائیے فارسی و عربی کا لفظ نہیں ملتا۔ مطلب اِس کا آج مسلمان بلکہ ہندو بھی نہیں سمجھتا۔ کتاب مذکور چھپ گئی ہے اور ہر جگہ مل سکتی ہے۔ اِس لیے نمونہ نہیں لکھتا۔" (آبِ حیات)

اس میں بہت عمومی سی بات کہی گئی ہے۔ چنانچہ فارسی عربی کے لفظوں سے متعلق جو کہا گیا ہے اُسے حقیقت سے بہت بُعد ہے۔ صوفیائے کرام کا مقصد اپنے معاملات اور معتقدات کو دوسروں میں عام کرنا تھا اور اس مقصد کے حصول میں عربی فارسی کے لفظوں کی جو اہمیت ہو سکتی تھی ظاہر ہے۔ ملک محمد جائسی جیسے باشعور اور با صلاحیت شاعر سے ہرگز یہ توقع نہیں کہ وہ ان لفظوں کی اہمیت سے واقف نہ رہے ہوں چنانچہ اس بات کا ہرگز کوئی امکان نہیں کہ انھوں نے ان سے احتراز یا اجتناب کیا ہو۔ ایسا کرنا اپنی زبان کو گویا محدود کر دینا تھا اور یہ صورت اُن کے بنیادی مقصد کے بھی خلاف تھی۔ پھر یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس زبان میں عربی فارسی کے الفاظ اس طرح دخیل ہو گئے تھے کہ عملاً ان کا اخراج ممکن بھی نہیں رہ گیا تھا۔ خود مولانا محمد حسین آزاد کو اعتراف ہے کہ تلسی داس کی "رام چرتر مانس" میں بھی ان زبانوں کے لفظ مستعمل ہیں حالاں کہ تلسی داس کے موضوع اور مسلک کے لیے ان لفظوں کا استعمال ظاہر نظر میں غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال "پدماوت" کا مطالعہ کریں تو اس میں موجود عربی و فارسی کے لفظوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بند کے کچھ مسلسل شعر یہ ہیں ؎

چلے سمہس بیک سلطانی	تیکھ ترنگ بانک کنکانی
بکھری چلی بد یانتہ پانتی	برن برن او بھانتہ بھانتی
کالی کمیت نیل سپیتی	کھنگ کرنگ بوز دوہ کیتی
(سپیدی)	(خنگ)

ابلک ابرس پچھے سراجی　　چودھر چال سمند سب تاجی
(ابلق)　(شیرازی)　　(تازی)

کھرمچ نکرا جردا پھلے　　رو پکراں بولسر چلے
(قرمزی)　(نقرہ)　(زردہ)

بچکلیاں سنجاب بکھانی　　مہ سایہ سب چن چن آنی
مسکے اور ہرمجی عراکی　　ترکی اور بھوتھانہ بلاکی
(مشکی)　(ہرمزی)　(عراقی)　　(بلاقی)

اودھی میں بعض آوازیں نہیں ہیں اس لیے عربی فارسی کے لفظوں میں اگر ایسی آوازیں ہوں تو اُن کو کسی متبادل مقامی آواز سے بدل لیتے ہیں، یہی اشعار مذکور میں مستعمل ان زبانوں کے لفظوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ذیل کے شعروں میں شطرنج کی بازی کا بیان دیکھا جائے ؎

مایا موہ پرس بھا راجا　　ساہ کھیل سطرنج کہہ ساجا
راجھ ہے جیب لگ سر گھامولیا　　ہم تم گھر ک کرنہہ بسرامون
دربن ساہ بھینٹ تہہ لاوا　　نکھول جوہ جھروکیں آوا
کھیلنہ دو او ساہ اور راجا　　ساہ کے رُخ دربن رہ ساجا
پیگ لبدھ پیادہ پا نوں　　چلی سونہہ تا کے کہیں ٹھانوں
گھوڑے ادے پھرجایں بند لاوا　　جہنہ مُہرا رُخ چہے سو پاوا
(فرزین)

راجا بیل دے سہ مانگا　　سہ دے ساہ پری جد کھانگا

پیلیہ پیلی دکھادا بھیو دھوں چو دانت
راجا چھپے بج دے بھا ساہ چھپے سہ مات

فارسی میں ضرب المثل ہے " ہمیں گوی است وہمیں چوگان "۔ اِس کا ترجمہ
ذیل کے شعر دل میں کیا گیا ہے ؎

پھر گورا بادل سوں کہا	گھن چھوٹ ین چاہے گہا
چھوں دس آوا لو یت بھانا ل	اب یہ گوئے یہی میدانو ل
دنہہ چوگان ترک کس کھیلا	ہوے کھلار رن جر دل اکیلا
تب باد ل بادل اس نانوں	جب میدان گوئے لے جادل

اردو میں الفاظ صحیحہ کے بعد کبھی الف، کبھی نون غنہ، کبھی واو اور کبھی " ال "
اور " وں " کا اضافہ کر لیتے ہیں اور کبھی برعکس صورت بھی اختیار کرتے ہیں
یہ قاعدہ عام ہے اور غیر زبانوں سے ماخوذ لفظوں کے ساتھ بھی یہ عمل کیا جاتا
ہے چنانچہ " میدان " سے " میدانوں " بنایا اسی طرح " دنیا " کی تخفیف " دُنی "
بھی لاتے ہیں ؎

سور نوای نو کھنڈ بھیے ساتہ دیپ دُنی سب نیے

یہ محض کچھ مثالیں اِدھر اُدھر سے نقل کی گئی ہیں۔ اب شروع کے کچھ بندوں
میں مستعمل عربی اور فارسی کے لفظوں کی فہرست دی جاتی ہے۔

بند نمبر	فارسی، عربی کے لفظ
۱۱	ایک (یک)۔ نانون (نام)۔ نہ۔ دو۔ وے۔
۱۲	چار (چہار)۔ صدق۔ صدیق دین۔ عدل ناٸوں۔ آیت۔ ایک۔ دو

بند نمبر	فارسی، عربی کے لفظ
۱۳	شیر۔ سلطانوں (سلطان)۔ چارہ۔ جات (ذات)۔ اسکندر ذوالقرنین شاہ۔ محتاج۔ نو۔ دُنی (دنیا)۔ پادشاہ نہ۔ ساہ (شاہ)۔ ساجا (= ساج = ساز)
۱۴	
۱۵	عدل۔ عادل۔ ساہ (شاہ)۔ دنیا۔ اک۔ دو کھیر۔ (تیر)۔ دربار۔ نوشیرواں۔ عمر (عمرؓ)
۱۶	نہ۔ سر۔
۱۷	حتیم (حاتم)۔ دربارا (دربار) دنیا۔ سلطان۔ نہ۔ ایک
۱۸	پیر۔ دستگیر۔ جہاں گیر۔ دے۔ مخدوم
۱۹	مرشد۔ پیر۔ دو۔
۲۰	دین۔ دُنی (دنیا)۔ روسن (روشن)، سُرکھرو (سرخرو) حضرت۔ خواجہ خضر۔

اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں اُن سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ پد ماوت میں عربی فارسی کے الفاظ نایاب نہیں ہیں۔ البتہ اِس بات کا احساس قاری کو بار بار ہوتا ہے کہ باکمال شاعر نے اِن زبانوں کے عام طور سے اُن لفظوں کو صرف کیا ہے جو اُس زمانہ میں عام و خاص، میں رائج تھے۔ جو نیا لفظ اپنی ضرورت کیلیے اِن زبانوں سے اُس نے اخذ کیا ہے اُس کو بھی اودھی بھاکھا کے لب و لہجہ اور قرأت سے اِس قدر ہم آہنگ کر لیا ہے کہ ظاہر نظر میں اُس کی غرابت کا احساس نہیں ہوتا۔ اِس سے نہ صرف زبان پر اُس کی حاکمانہ قدرت کا ثبوت ملتا ہے

پہنچتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ باکمال زبانوں کے مزاج کو بھی پہچانتے تھے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ پروفیسر سید حسن عسکری "پدماوت" کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

"ملک محمد جائسی کی مشہور کتاب پدماوت کی بھاشا کو ڈاکٹر بابورام سکسینہ تلسی داس کی رامائن سے بھی زیادہ خالص اور بے میل بتاتے ہیں۔ گریرسن اسے آج سے تقریباً چار سو برس پہلے کی اودھ اور مشرقی ہندوستان کی زبان کا عکس یا آئینہ قرار دیتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں میں بھی اس کتاب کا بہت چرچا تھا۔ ملا عبد الشکور یا شکر اللہ بزمی نے تین ہزار سے زیادہ ابیات پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ جہانگیر کے نام معنون کی اور پدماوت نام دیا۔ حسین غزنوی میر عسکری، عاقل خاں رازی، حسام الدین، عبد الجلیل بلگرامی، ضیاء الدین عبرت اور اُن کے شریک کار غلام علی عشرت وغیرہ نے آج سے بہت قبل جائسی کی پدماوت سے متاثر ہو کر اور اس کے ڈھنگ پر مثنویاں لکھیں اور ایسی کتنی کتابیں لکھی گئی ہونگی جن کا ہمیں علم نہیں۔" (معاصر ۸۹/۴)

تلسی داس کا زمانہ ملک محمد جائسی سے قدرے بعد کا ہے لیکن اُن کے موضوع کی مذہبیت نے انھیں قدرتی طور پر الفاظ کے صحیح ترجمان (جو ظاہر ہے کہ قدیم بھی تھا) تلفظ کا اہتمام کرنے کی طرف مائل کیا ہوگا۔ اس میں اس بات کو بھی دخل ہو سکتا ہے کہ شاعر سنسکرت کا عالم تھا وہ اس زبان،

کی ایک مُو قر اور اہم تصنیف سے براہِ راست استفادہ بھی کر رہا تھا
"پدماوت" کے مصنف کا معاملہ مختلف تھا۔ اُس نے اِس بات کا اہتمام
کیا ہے کہ کوئی لفظ اُس کے زمانے میں جس طور سے زبانوں پر جاری رہا ہو
اُسی طور سے نظم کیا جائے چنانچہ وہ "نِشی" کو "نِس" "شروَن"
کو "سروَن" "گیتا" کو "گیس" اور "گیا" "اپدیش" کو "اپدیس"
اور "اُپدیا" نظم کرتا ہے۔ اِس لحاظ سے ملک محمد جائسی کی زبان قابلِ ترجیح
ہے۔ اِس سے اُس عہد کے تلفظ اور بول چال کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ زبان
کا سلیس اور قریب الفہم ہونا بھی کتاب کے غیر معمولی طور سے مقبول ہونے
کا سبب ہے۔

پدماوت کی زبان کو "خالص اور بے میل" کہا گیا ہے اِس کا مطلب
یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ اِس میں کسی دوسری زبان کا لفظ آیا ہی نہیں ہے اِس سے مراد
بس یہ ہے کہ اِس کتاب میں جو لفظ جس طرح آیا ہے اُس قدیم زمانے میں
وہ اُسی طرح اَودھی بھاکھا میں رائج تھا۔ خواہ اپنی اصل کے اعتبار سے وہ
سنسکرت کا ہو یا فارسی یا عربی کا ہو۔ اَودھی کی اپنی مخصوص آوازیں ہیں
اس کا اپنا لب و لہجہ ہے۔ اِس لیے یہاں جو لفظ جس طور پر رائج ہے وہی درست
اور قابلِ ترجیح بھی ہے خواہ اپنی اصل کے لحاظ سے اُس کا تلفظ کچھ اور ہی کیوں
نہ ہو۔ اِس موقع پر یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ "پدماوت" میں جو بھی
لفظ نظم ہوا ہے اُسے کسی دوسری جدید زبان مثلاً برج بھاشا، ہریانی، کھڑی

بولی یا دکنی سے متعلق اُس وقت تک تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کے لیے ان زبانوں میں کوئی قدیم تر سند نہ مل جائے۔ اِس موقع پر اس حقیقت کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ قدیم میں اَودھی بھاکھا میں جس پایے کی تصانیف ملتی ہیں کسی دوسری جدید بولی سے اُن کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔ یا کم از کم اب تک ہمارے علم میں نہیں ہے۔ اَودھی کی تصانیف ملک کے طول و عرض میں مقبول و معروف رہی ہیں اس لیے اِس بھاکھا کے لفظوں کا دہلی اور دکن میں بھی مل جانا بہت زیادہ قرینِ حقیقت ہے۔ یوں اصولاً پدماوت میں مستعمل ہر لفظ کو اودھی بھاکھا سے متعلق ہی خیال کرنا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی قدیم تر سند اِس کے برخلاف ملے تو اس حقیقت کو بلا تامل تسلیم کیا جائے گا لیکن بے سند دعویٰ کی اہمیت تحقیق میں کچھ نہیں۔

پدماوت کی زبان کی ثقافت اور اہمیت مسلّم ہے اور اسی سبب سے اِس فرہنگ کی افادیت بھی ہے۔

فرہنگ

سنوروں آد ایک کرتا رو

(حمد کرتا ہوں اُس کردگار کی جو ایک ہے اور ہمیشہ سے ہے)

جہ جیو دینہ کینہ سنسارو

(جس نے ہم کو یہ زندگی عطا کی اور اس ساری کائنات کو خلق کیا)

(ا لف)

اَ = جب کسی صفت سے پہلے آئے تو نفی کے معنی دیتا ہے اور برعکس صفت ظاہر ہوتی ہے جیسے "اڈول" یعنی جو ڈولتا نہ ہو، نہ ہلنے والا، سخت۔ یہ مخفف ہے "اَن" کا۔ اودھی کا قاعدہ ہے کہ لفظ صحیح کے شروع اور آخر میں آنے والا حرف "الف" اور "ن" بعض مواقع پر حذف کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی حرف "ن" محذوف ہے۔ کبھی اِس الف مفتوح کی جگہ الف ممدودہ بھی لاتے ہیں چنانچہ "اَمر" اور "آمر" دونوں طرح آیا ہے۔

دن دن بڈھے کہیں نہ ہوی ۔۔۔ پریت بیل کے آمر ہوی

اِ = اسم اشارہ قریب ہے بمعنی "یہ" اور لفظ "ای" یا "ایں" کا مخفف ہے "الف" اور "ن" کی طرح اِس یہاں "ی" اور "ی" کا سقوط بھی عموماً رائج ہے۔ اشعارِ ذیل میں "ایں، ای، اِ" تینوں کا صَرف دیکھا جاوے۔

اب جیو تہاں انہاں تن سوناں ۔۔۔ کب لگ رہی گھٹ پران یہوناں

انہیں بھانت بشٹ بہہ چھرے ۔۔۔ یہی کبہیں رادن سی ہرے

راجا تول جوگی ہوے کھیلا ۔۔۔ اِہی دیوس کنہ ہم بھئے چیلا

اُ = حسب قاعدہ مذکورہ "او" کا مخفف ہے بہ معنی "وہ" اور ضمیر واحد غایب بھی ہے۔

اپنی جیو کر لو بھے نہ موہے   پیم بار ہوی مانگوں اُو ہے

اِبرتھا = بیکار "برتھا" اور "برتھ" بھی آتا ہے ہندی میں واو کے ساتھ "ورتھ" کہتے ہیں۔

پیم کی آگ جرے جو کوی   تا کر دُکھ نہ ابرتھا ہوی

ابھرن آبرن = زیور، سنگار۔ دیکھو "بارہ ابھرن"

آپا = خود۔

گُنئیں نہ کوہی آپ سرا ہا   جو سو بِکاے کہا پے چاہا

آپانان = خود کا۔ اِس کے مخففات اودھی کے قاعدہ کے مطابق اِس طرح آتے ہیں۔

اپانا، اپان، آپن، آپنا، اپنا، اَپن

اودھی اور اُردو دونوں زبانوں میں ایک جملہ میں ایک ہی ضمیر کو ایک سے زاید بار معمولاً نہیں لاتے بلکہ اُس کی جگہ "اپنا" لاتے ہیں مثلاً "میں اپنا قلم لایا" میں "اپنا" قایم مقام ہے "میرا" کا اودھی میں اِس لفظ کی مذکورہ سب صورتیں رایج ہیں۔

زنک دوسر برج ہیو روٹھا   جو ہیو آپن کہے سو جھوٹھا

لیکن جدید اُردو میں صرف "اپنا" مستعمل ہے اور سب متروک ہیں۔

اُپجے، اُپیچے = اُگے، پیدا ہو۔ ج اور چ ایک دوسرے کے ساتھ اکثر تبدیل ہوتے ہیں چنانچہ پنج اور پنچ (پانچ) میں بھی ہے۔

یانی مانجھ سمانی جوتی — یانی اوپجے مانک موتی

اُپکار = کوشش، تدبیر

مانگنہ سب بدھناں سیوں رو ی — کے اُپکار جیٔرا دے کوی

آپی = آپ ہی، خود ہی ۔۔ "ہی" کے "ہ" کا لفظ ماقبل کے حرفِ آخر کے ساتھ وصل، اساتذۂ لکھنؤ نے درست سمجھا ہے۔ میر علی اوسط رشک نے "اور ہی" کے مقام پر "اوری" نظم کیا ہے۔ اپنے لغت میں انھوں نے "آپہی" کو جگہ دی ہے۔ (نفس اللغت ص ۱)

پروفیسر مسعود حسین خاں کہتے ہیں کہ "اپی پانی پت اور کرنال میں سنائی دیتا ہے" (مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۶۰) ممکن ہے کہ اب وہاں بھی لوگ ایسا بولتے ہوں۔

جاگنہ دیا دشٹ کے آپی — ھو ا سونین دنیہ بدھ جپاتی

اَت = بہت زیادہ۔

اتا ترل نہ جاے لیکھا — جب درپن منہ درسن دیکھا

اِتا، ایت = اس قدر۔ اس کی ارتقائی صورت "اِتنا" بھی ہے اسی طرح اِتیا، اِتا، اِتین، اِتن، اَیتنا، آتنا کہا گیا ہے:۔

"لفظ تا یعنی حرف تا و نون و الف ساکن یا لفظ تا دلالت کرتا ہے مقدار پر جیسا اِتنا، اِتا" (رسالہ گلکرسٹ ص ۱۱)

صحیح یہ ہے کہ مقدار کے اظہار کے لیے حرف "ت" آتا ہے اور اسی پر الف اور "ن" کے اضافہ سے مختلف صورتیں وجود پاتی ہیں یعنی: تا، تن، تنا۔ چنانچہ اِت، ایت یا اِتنا میں اسم اشارہ قریب "اِ یا اِی" علامات مذکورہ سے پہلے لاتے ہیں، کتنا، جتنا اور کِتّا، جِتّا کا بھی یہی معاملہ ہے۔ تعجب ہے پروفیسر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں:۔

"اِتا، جِتا جہلا میں عام مستعمل ہے"۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۶۰

اودھی میں اس نوعیت کے لفظوں کی سب صورتیں مستعمل ہیں لیکن جدید اردو میں بجز اتنا، جتنا کے سب متروک ہیں۔

تمہ سکھیا اپنے گھر راجا   ایت دکھ جو سہو کہ کاجا

اُت = اُتنا یا اُتا بھی اصول بالا کے مطابق ہے۔

اَجان = انجان، نامعلوم دیکھو "آ"

کوی چندن پھولنہ جن بھولے   کوی اجان پر واتل بھوے

اُچارہ = اُچاڑ۔ اکھاڑ۔ کیفیت یہ ہے کہ اودھی میں "چ" کی تبدیلی "ک" کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ "اکھاڑ" جدید تر تلفظ ہے جو اردو میں رائج ہوا۔

کدمہ سو نہہ ہوے میمنتا   بھپاڑ دل سونڈ او چارہ دنتا

اِچّھا ایچھا = خواہش۔ اصل اس کی اکیچھا یا اکشا ہے۔ حرف "ش" کی جگہ "چ" لے لیتا ہے۔

جو اچھا من کینہ سو جیوا   یہ پچھتاو، چاہو نہ پیوا

آچھر = حرف - دیکھو "آکھر"

آچھر پری

سیو کر نہہ داسی چہو پاس
اچھر یں جان اندر گیلا ساں

آچھے، اچھے = پروفیسر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں :-

"اچھنا (سب رس) بمعنی ہونا، عام طور سے دکنی میں ملتا ہے
دہلی کے مضافات کی جو قدیم بولی دکن لے جائی گئی ہے اس میں فعل
"اچھنا" ہے اور "اہے" کے ساتھ ساتھ مستعمل تھا اچھنا قدیم و
جدید راجستھانی اور گجراتی میں ملتا ہے اور یہ اپ بھرنش کا عام
مستعمل لفظ تھا جو اکثر بولیوں میں اب متروک ہو گیا ہے۔"

(مقدمہ تاریخ زبان اُردو ص ۲۲۶)

اُن تمام امور کے لیے جو اس اقتباس میں مذکور ہوئے سند ہمیں مل گئی اردو
میں یہ لفظ مختلف معنوں میں آتا رہا ہے چنانچہ "رہے" کے معنی
میں ہے سہ

کمندان کہہ جو بن تھ پا نہاں
جو اچھے ہیو کی سکد چھا نہاں

"ہے" اور "ہیں" کی جگہ پر بھی آیا ہے سہ

رہے دیہہ جو گڈھ تر میلے
جو گی گت اچھے پن کھیلے

علامت ماضی "تھا" کے بدل کی حیثیت سے سہ

ستو اگو پوچھو پنکھ منشا امریں
چلن دیکھ آچھے من ماریں

"سکتا" اور "سکے" کے مقام پر سہ

نسیجین یہ وہ کارن نپا   پہ مل ہیم نہ آچھی چھپا

آد = شروع، ابتدا، میانہ آ پہلے اور ہمیشہ کے معنی میں بھی آیا ہے

ہوا سیوک تمہ آدگسائیں   سیوا کر دل جیو جیت نائیں

آدر = عزت۔

آدھ، اَدھ = آدھا، نصف۔

اَدھبجر = آدھ تپلا، آدھا جلا ہوا

آدھبجر بھئی انس تن سوکھا   لاگیو یہ کال ہو سنہ بھوکھا

آدھار، آدھا = سہارا، تکیہ، انحصار۔

آنت سروپ اوات سکواری   پان پھول کے مہنہ ادھاری

اَدھر = ہونٹھ، لب

مُلھسے نین ورس مدھ ماتی   مُلھسے آدھر رنگ رس راتی

اَدِھک = زیادہ۔

آدھک کام دگدھی سو کا ہا   ہرے سو آگیو بپہنا ماں

اُڈینی، اُڑینی = (اُڑنے والی) جگنو

کوندھت اہ جس بھادوں رینی   سیام ریت جن چلے اوڈینی

اَرتھ = مفہوم، مطلب۔

اَک اک بول ارتھ چوگناں   اندر موہ برنہیا سر وجناں

ارگھا، اَگھائی = دایرہ نما، لہردار۔

بھنور کیس وہ مالت رانیں   لہر لہر لینہ ارگھا نیں

اَرداس = اصل اِس کی عرض داشت ہے یعنی عرضی، درخواست۔

یہ پدھ وُھبل دینہ تیت تائیں دہلی کی ارداسیں آئیں

ارنبھ، آرنبھ = شروع، آغاز

سخن تو ہے سبیا رس آہے کتھا آرنبھ میں کب سے کچھ

اَرے، رے = کلمۂ خطاب ہے۔

راجین کہا رے مرگ سندیں اُتر آرے مِل مہ دیسی

اُساس (اُسانس) لغت میں لمبی سانس کو کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ

ایک ہی لفظ کی دو صورتیں ہیں۔

من تے اگمن ڈولے یاگا لیت اُساس گگن سر لاگا

اَس، اَیس = "مخفف ایسا کا ہے" (پدماوت ص ۱۱) حرف

دلالت کرتا ہے تشبیہ پر (رسالہ گلکرسٹ ص ۱۱) اور مخفف

اِس کا حرف نہیں ہے چنانچہ جیسا، جیسا، کیسا، کیسا وغیرہ میں

ہے اردو میں یہ الفاظ الف آخر کے حذف کے ساتھ نہیں آتے ہیں۔

ایس جان من گر میں نہ ہوتی گیو کرے من با دو سوی

اَست = ڈوبا ہوا۔ جاتا "غدا خدا کرکے" کے معنی بھی لیے گئے ہیں

است است کے پانی نکلا آگیں ملن کلک سب پیلا

اَست اَست = مبارک مبارک۔

دیکھ سورج پر کھول منجو کو است است بولا سب لوگو

اَشُشٹ = تقریباً۔ ہندی میں الف اول کے حذف کے ساتھ

بھی آیا ہے۔

بھوگ بلاس تبھی کچھ پادا کہاں جییہہ تس استہ آدا

اِستری : عورت

جگت استری دیکھی مہدوں اُدوئی است اس نا رنہ کہوں

اَسیس : دعا

اہی جنم پتری جو لکھی دئی اسیس بپیرے جو تکھی

اِک = مخفف ہے "ایک" کا اور بہ اضافۂ الف اول تبدیل عنہ ہے
"یک" کا جو اصلاً فارسی ہے۔ اور بھی اور اُردو میں تینوں صورتیں
مستعمل ہیں۔

اکاس، آکاس = ہندی آکاش، آسمان

بھا کل کل اس بھیڑ ہوا جن اکاس ٹوٹے چھنہ اوندا

اَگھر = حیرت۔ اصل اس کی آکشر دشمین قریشت کے ساتھ ہے جو تبدیل
ہو کر اچھر اور "اچھر" ہو جاتا ہے۔ آخرالذکر صورت بھی تپدماوت
میں ملتی ہے اور یہ جدید ہندی میں بھی مستعمل ہے۔

پاتی لکھی سندر تمہ تا ماں رکت نیکھے اکھر بھئے سیالا

آگ = آتش، اور مجازاً سوزش اور جلن کے معنی میں آیا ہے

آگ بزیرے آگ پہ سو جھا جرت رہنہ نہ بجھاے بوجھا

اصل اس لفظ کی "اگنی" یا "اگن" ہے اور یہ بھی "پدماوت" میں
آیا ہے۔

اوتھنہ دیپ تپنگ ہوئی پیا ۔ اگن بھاڑ یانو دے جیا

اگمن = آمد، آنا۔ سامنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اس لفظ کی تخفیف اور تبدیل ذیل کی صورتوں میں بھی آئی ہے :۔

آگر، آگو، آگ، آگے

من تے اگمن ڈھلے باگا ۔ لیت اساس گنگن بھر لاگا

ستی نہ نا کے آگو پاچھو ۔ جہاں جہاں گمہ مچھہ او کا چھو

یہ لفظ مجاز آ زیادہ کے معنی میں بھی آئے ہیں

دئی کینہ اس جگت انوپا ۔ ایک ایک تیں آگر روپا

اگاہ = گہرا۔ اصل اس کی "گاہ" بمعنی تھاہ ہے اور اس کی تخفیف و تبدیل اس طرح ہوتی ہے :

گہہ، گہر، گہرا

ہیم سمندر اس اگاہا ۔ جہاں نہ وار نہ پار رتھاہا

اُگھارا = (اُگھاڑا) = کھولا، ظاہر کیا۔

کھوج لینہ سو سرگ دوارے ۔ بجر جو مونڈی جائے اگھارے

اگھانا = جھک گیا۔ سیر ہوا، آسودہ ہوا

دوی گھونٹ مل ایکی ہوئی جاہیں ۔ ایس ملنہ تہوں نہ اگھاہیں

اگھری = نکالی، اتاری، الگ کی

اگھری نیور چلا سلطانوں ۔ جا نو چلا گنگن کہہ بھانوں

اگیا = آگیاں = حکم، اجازت،

اگیان بنی بلاوہ سوسی　　پنڈت ہوتیں دوکھ ناہوسی

آل = بھونرا۔

وہ آل سنگ، کہ ابھیں گکلی　　کہہ سو گند ھ دھوپ کس نرلی

لغت میں "بچھو کے ڈنک" کے معنی میں بھی آیا ہے۔

آلک = لٹ، زلف

اَلک بپا لس گیں میں اسوجھا　　اُدھر اُدھر سوں چاہیے بھوجھا

اَلکھ = جو لکھا نہ جا سکے، جسے دیکھا نہ جا سکے، مراد خدا سے ہے،

ملا الکھ تس پریم لکھا ئے ا　　کیوں سنکہ توں ایس لکھا نا

اِم = (ہندی = اِمی، اِم) = یہ فارسی میں بھی "اِم" آتا ہے چنانچہ
اِمروز، اِمشب میں ہے۔

الیں جری دوسر نہ کہا　　دھن سوجیو دگدھ اِم سہا
اودھی کے اصول کے مطابق "م" کو اگر "ہ" کا بدل سمجھیں تو
"اس طرح" اور "ایسے" کے معنی بھی دیتا ہے

ساندھی یاں جان دونہ انی　　برتیں کا برنوں اِم بنی

اَمرت = میر علی اوسط رشک نے لکھا ہے:۔

"امرت، الف مکسور، میم ساکن، رائے مہملہ مفتوح، فوقانیہ
ساکن مقابل زہر باشد" (نفس اللغۃ ص ۲۲)

یہ املا غالباً مشہور مٹھائی "امرتی" کے قیاس پر ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ
اَ + مرت (مرت = موت، مرگ) ہے یعنی وہ چیز جو موت کی ضد

ہو، مراد آبِ حیات سے ہے۔

آودھی میں 'م' کی تبدیلی نون غنہ ماقبل بائے موحدہ کے ساتھ ہوجاتی ہے چنانچہ اسی لفظ کا املا "انبرت" بھی آیا ہے۔

تب سوجرے انبرت سے آوا   جو مہتا سو چھر کسا جیا وا

اَمرت مول = "ثمرِ حیات ہے اس کو جو کھالے کبھی نہ مرے" (پدماوت ۱۸۰)
'مول' بمعنی جڑ ہے۔ اس لیے 'نخلِ حیات' کی جڑ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ 'امرت مول' کو 'ثمرِ حیات' محض مجازاً کہا جا سکتا ہے۔ روزنامہ "ہندوستان ٹائمز دہلی" مورخہ ۱۴۔ مئی ۱۹۷۲ء کی ایک خبر میں کہا گیا ہے کہ کوہما کے "نجون" (NHUAUN) گاؤں کی ایک عورت ایک سو چوّن برس کی عمر میں بھی بالکل تندرست ہے۔ ہاں کے عوام کا اعتقاد ہے کہ اس نے اتفاقیہ "نخلِ حیات" کو چھو لیا ہے جو "کتا لانگ" (KETSALONG) کی پہاڑی پر اُگتا ہے۔ مزید دیکھو 'سجیون مول'

آمین = امرت۔ اصل "آمی" ہے، نون آخر زاید ہے۔

اوہاں تو ہی چڑھ کے مرمنڈل   ایہاں تو ادھر امین رس کھنڈل

آن = غیر، دوسرا

جین نہ ہاٹ تہ لینہ بسایا   تاکنہ آن ہاٹ کت لایا

اَن = حرفِ نفی ہے۔ مزید دیکھو "ا"۔ "بغیر" کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اَن بھاوت چاکھی بیراگا   پنیج انبرت جانہو بکھ لاگا

آنّ = غلہ، اناج،

پان پون ترین پیاسوپیا   اب کو آنّ دئے پانیا

ان = یہ تحقیق، فی الواقع،

ان رانی تمہ گرُ، وہ چیلا   تُم پونچھ کے سدھ تو بیلا

آناں، آنا = آمد، آیا۔ اِس معنی میں اس کا اِملا "آونا" بھی آیا ہے۔

جنہ کی بنسی اُنسَ اُس آناں   دھن ماتا اور پِتا بکھاناں

گو نب تہاں بہر نہیں آوناں   ہوی بیاہ چن ہو یہے گوناں

یہ لفظ لایا اور منگایا کے معنی میں بھی آتا ہے۔

رتن سین چتور گڑھ آنی   سنگل دیپ پدمنی رانی

اور کبھی مجازاً پیدا ہونے اور حاضر کرنے کے معنی بھی لیے گیے ہیں

انب، آنب، آنبہ، آنبہ = آم۔ فارسی میں بھی "انبہ" ہی کو رواج ہوا۔

اوڈہن پھرے ادھک سرناے   پھرے آنبہ آت سگھن سہاے

انبرای (آمرای) = آم کا باغ۔ اودھی میں اسم صفت بنانے کے لیے اکثر "آی" کا اضافہ بھی کرتے ہیں چنانچہ لڑکائی، چھوٹائی، بڑائی میں ہے۔ اِس کو "رازی" کا مخفف سمجھا جا سکتا ہے اور "واری" کی کیفیت آگے بیان ہوگی

اور کھجھجہ ان کرتا نوں   دیکھا سب رانوں انبرانوں

آنت = خاتمہ، بالآخر

تمہ نا کرو ترک سوں میرو   چھرے گر نہہ انت کے پھیرو

آنتہ = غیر جگہ، پردیس، بعض موقع پر غیر شخص کے لیے بھی آیا ہے

مندرسوں یہی انتہ بسا   سیج ناگ بھئی دہ دہ ڈسا

آنترکھ، انترکھا = معلق

توین اس گتگن انترکھ راکھا   جہاں نہ ٹیک تھونی نہ کھانبا

آنٹے = سہارے اور پہنچے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

منچھ چھو نہہ آو تہہ گرڑ کا ہی   جہاں کنول تہاں ہاتھ نہ آنٹے

آنٹی = گانٹھ، قبضہ۔

دیو تمہ چلے آسے اس آنٹی   سرجن کنچن درجن ہانٹی

آندھ، اندھ = اندھا اور باولے کے لیے بھی آیا ہے۔

باورا اندھ پریت کرلاگو   سونہ دھنسے کچھ سوجھ نہ آگو

یہ لفظ کالے کے معنی میں بھی آیا ہے چنانچہ "یارا" کے لاحقہ کے ساتھ

اندھیارا، اندھیار، اندھیرا وغیرہ الفاظ آتے ہیں اور اس لاحقہ کی کیفیت

اپنے موقع پر مذکور ہوگی۔

آنس = اشک، اس لفظ کے آخر میں واو زائد بھی لاتے ہیں چنانچہ "آنسو"

کہتے ہیں اردو میں "آنسو" بغیر واو کے مستعمل نہیں ہے ٥

کون نیکھ باندھا بدھا دیجیے
سن کے اتر انس جب بوجھے

انس = (ہندی = انش) حصہ، جزو۔

بھا بروگ آوہ تلک سنوارا
ملا سو بنس انس اجیارا

انکور (بہ واو مجہول) = رشوت، نذرانہ

دیکھ انکور بھئے جس پانی
تب رکھوار گیے سلطانی

انکورین = کنکری۔

کانٹ نہ چبھی نہ گڑی انکورین
پاین پہرلیہہ سب پتوریں

انوٹ = پاوں کا زیور

پہنچ سکے کو پاینہ تائیں
انوٹ بچھیا نکھت ترائیں

او (بہ واو معروف) = اسم اشارہ بعید اور ضمیر واحد غائب ہے۔ اس کی تخفیف دو طرح آتی ہے "اُ" جس میں واو کی آواز خفیف ہو کر ضمہ معروف کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور "وُ" جس میں الف اول ساقط ہو جاتا ہے۔ یہی 'وو' اور پھر 'وہ' بن جاتا ہے

اَو (مفتوح الاول) = فارسی میں حرف عطف "و" ہے۔ الف اول کے اضافہ کے ساتھ یہ "او" ہو جاتا ہے۔ اردو میں "او" کا استعمال نہیں ہوتا

مرد میر حمزہ رض او علی رض
پہلوان سو بکھانے بلی

آور (بر وزن غرور) اودھی کا قاعدہ ہے کہ الفاظ صحیحہ کے بعد را سے قرشت کا اضافہ کرتے ہیں چنانچہ چند، چندر اور سمند، سمندر میں بھی یہ اسی قاعدہ کے بموجب "او" سے "اور" بھی حرف عطف ہے۔

ناگیسر صد برگ نواڑی　　　اور سنگار ہار پھلواڑی

اُور (واو مجہول۔ کم ساتھ، بر وزن گور) = سمت، طرف

گھر گن بیچ چمکے جھنہ اوراں　　　بندیاں برسنہ گھن گھوراں

اُوتاول = جلد۔ "قدیم دکنی میں جلد کے معنوں میں آتا ہے۔ دہلی کا محاورہ ہے 'اتاولا باولا'" (مقدمہ تاریخ زبان اردو ص-۲۶)

لیکن محض یہ محاورہ کافی سند نہیں ہے اس لیے کہ خود اس محاورہ کی دہلی سے نسبت ثابت کرنے کے لیے بھی سند کی ضرورت ہے۔

گرمجدی کھیدک، میں سیدا　　　چلے اوتاول جنہ کر کھیدا

اوتاولا = جلد باز

اوتاولی = جلد بازی

اوٹ (اونٹی) = ابال، جوش

جو مجھیٹھ اوٹ ہے آنچا　　　سو ہے تنگ جرم نہ ڈلی راچا

اودھ = سمت، وعدہ، میعاد

جب لگ اودھ آئی نیرائے　　　دن جگ جگ برہن کنہ جائے

اوکھد (بہ واو مجہول) = دوا۔ اصل اس کی "اوشدھی" ہے۔

جنہ بید اوکھد لی آوا　　　رو گئین روگ سرت جیو پاوا

اُو، آو = اودھی میں تذکیر کی علامت الف، تانیث کی 'ی' اور جمع کی 'ے' ہے چنانچہ اس لفظ کی یہ صورتیں ہوئیں:

اہا - اہی - اہے

یہ بیشتر علامتِ ماضی "تھا۔ تھی۔ تھے" کی جگہ آتے ہیں۔

حب ہنکھن مہ تہا پہ یوا　　تب گن موہ اہا ہو دیوا

الیس جو چو رسدھپے کوی　　اہے جو منتری بولے سوہی

لیکن کبھی حال کے معنی میں بھی آئے ہیں۔

گہہ گیان آنکس جم رہے　　جوبن جور متنگنج اہے

اور مستقبل کے لیے بھی اس کا استعمال ملتا ہے۔

کبھوں ہوئے راجا سوں کہے　　جو یہ سوا مندر منہ اہے

اہتو = تھا

اہتو بجر آئے رن جرہی　　جانوت دانو راکس پرہی

آہو = کلمۂ خطاب ہے۔

اہو میت کا ہے تمہ سیاں　　پوچھنہ سبے ہنگم نا ماں

اہیر، اہیرا = شکار، شکار کرنا۔

کینہ آہی بترو رتہ بھیرا　　رتن سین بن کرت اہیرا

ای = اسم اشارہ قریب ہے اور اغلب ہے کہ "ایں" کا مخفف ہے

ای سب بھر ہو ہیں بن ساکھی　　ہاتھ پائے سرون او آنکھی

اسے = یا۔ لیکن اردو میں اس کا استعمال کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔

کت لگ ہوت سیت لے سیاں　　جو سر سو سونہہ موہنہ سنگہ اہاں

ایانی = "اجانی۔ الف نافیہ۔ بمعنی نادان، انجان۔ پنجابی میں آج تک انھیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ سیانی کی ضد ہے۔"

(دکنی ادب تقاص ۲۲۵)

اس کو پنجابی ثابت کرنے کے لیے سند پیش کی جانی ضروری ہے۔

راج بھر تر نہہ نہ سنے ایانی — جہ کے گھر سونہ سے رانی

ایراپت = راجہ اندر کا ہاتھی۔

جہہ نپتھ چلے ایرا پت ہاتھی — ابھنہ سوڈ گرہ گنگن منہ آتی

آیس = حکم۔

ایسی ہی رہونت ہاتھا — سیوا کرہ لای کھنیں ماتھا

ایسر = بالکسر بروزن کیس مخفف ایسر کا (پدماوت ص ۱۱)

ہندی میں "ایشور" یعنی خدا۔

بھاٹ آہ ایسر کے کلا — راجہ سب راکنہ ار کلا

اینگرہ شنگرف

اینگرہ بھا پاہن تس بھیجا — پیا تمہارا نہ رووں پسیجا

(ب)

بَ = فارسی میں 'بہ' اور 'بَ'، ساتھ کے معنی میں آتے ہیں۔ جیسے "بغیر" وغیرہ ایسے الفاظ اودھی میں بھی آئے ہیں۔

بِ = (بہ کسرۂ معروف) عام طور سے یہ ہندی کی 'وِ' کی تبدیل شدہ صورت ہے اور اکثر لفظ صحیح سے پہلے غیر یا مختلف کے معنی دیتا ہے۔ چنانچہ دلیس سے بدلیس (ہندی = ودیش)

بے = (بہ کسرۂ مجہول) یہ بھی فارسی کے حرف تردید 'بے' کا مخفف ہے چنانچہ قرار سے 'بے قرار' اور 'کل' سے 'بے کل' چاہیئے لیکن 'بکل' اور 'بکرار' بھی آیا ہے۔

کہہ سندیس سب بیت سنائے بِکل بہت کچھ کہی نہ جائے

ب (بالتسکین) آخر لفظ میں ہو تو "اکثر زمانہ پر دلالت کرتا ہے" (رسالہ گلکرسٹ ص ۱۱) چنانچہ اَب، تب، کب، جب میں ہے۔

باج = بغیر۔ یہ لفظ دکنی شعراء کے کلام میں بھی اکثر آیا ہے۔

اب تُہ باج رانگ مہاؤ دلوں ہوی سار تو بر گے بولوں

باجن = باجا، بجانے کی چیز، مشہور صوفی بزرگ بہاء الدین کا تخلص بھی ہے

پھرے آن رت باجن باجے — او ستگار بارہ سب ساجے

باچا = آزمایا، امتحان کیا، سمجھا۔

باچا پرکھ تہرک ہم بوجھا — پرگٹ میر گیت چھر سوجھا

بار = بال، موئے سر (دیکھو بال بانکا ہونا)

بار، بارا = چھوٹا بچہ، کبھی بچی کے لیے بھی آتا ہے۔ "ر" کی تبدیلی معمولاً "ل" کے ساتھ بھی ہوتی ہے چنانچہ "بالا" بھی آتا ہے۔

ابھیں بار تو پیم نہ کھیلا — کا جالس کس ہوئی ڈہیلا

باری = بالی، لڑکی، اس لفظ کے آخر میں یائے تانیث ہے۔

پچھم کا بار، پورب کی باری — لکھی جو جوری ہوئے نہ نیاری

بارا = جلایا، روشن کیا۔

ایک سروپ اور سپید رسا کی — چاند دیا سکل نہ یاری

بار، بیر = اودھی میں حرف "د" کی تبدیلی "ب" سے بھی ہوتی ہے چنانچہ "دبیر" سے "بیر" اسی قاعدہ کے مطابق معلوم ہوتا ہے

بھائی بند اور لوگ پیارا — بن جیو گھرے نہ راکھی بارا

بار = دوار، دروازہ۔ مجازاً "ڈیوڑھی"

پرب یار ہوئے کے سر ناوا — نادت سیس دیو پہ آوا

بار، باری، باڑی = چمن و باغ چنانچہ گلاب باڑی۔

تس ہم کنہ ہو یہہ رکھواری — پن ہم کہاں، کہاں یہ باری

حرف "ب"، اکثر ہندی میں "د" کا تبدیل عنہ ہے۔ چنانچہ واڑی،

داری بھی اکثر آیا ہے، جیسے پنواڑی، ہنسواڑی، پھلواری۔

بارہ ابھرن = بارہ زیور مجازاً آرائش یا سنگار کے معنی میں بھی آیا ہے (ہندی "آبھرن") پدماوت میں بارہ اس طرح گنائے ہیں۔

اُبٹنا مل کر غسل کرنا۔ صندلی جوڑا پہننا۔ سر گوندھ کر مانگ میں سیندور بھرنا۔ پیشانی پر قشقہ لگانا۔ آنکھوں میں سرمہ لگانا۔ کانوں میں بالی۔ ناک میں کیل پہننا۔ پان کھانا۔ گلے کے زیور ہنسلی وغیرہ۔ کلائیوں میں کنگن۔ کمر میں کردھنی۔ پاؤں میں پازیب اور چھڑے پہننا۔

بارہ ابھرن بیہی کیھانی تے پہرے بر ہو استھانی

باس = مہک۔ خوشبو۔

جن ابرت ہت بچن لگاسا کنول جو تا س باس دھن پایا

باسک = سانپوں کے بادشاہ کا نام ہے۔

پہ تم سیس کستیدری کیسا بل باسک کو اور نر پیا

باسی = بسنے والا، رہنے والا،

مارے چرک چالھہ پرباسی جل تج کہاں جائے جل باسی

بال بانکا ہونا۔

جنہ جی منہ ست ہوی پہارو پری پہار، نہ بانکے بارو

بالک، بالکا = بچّہ۔

آوت جگ بالک جس رووا   اٹھارو دے ہا گیان سو کھووا

بالکا = "راجہ اندر کے گھوڑے کا نام ہے" (پدماوت ص ۱۰۵)

بان = (ہندی بانڑ) = نیزہ، تیر۔

اونہ بانہ اس کو کو نہ مارا   بیدھ رہا سگری سنسارا

باور، باورا = باولا، سر پھرا، سودائی

جو بھاچیت اُٹھا بیراگا   باور جیہ سوت اُٹھ جاگا

بِپت = بپتا، مصیبت،

کہہ سندیس سب بپت سنائے   بکل بہت کچھ کہی نہ جائے

بَپّر = برہمن

تپتا تمھارا راج کرہ بھوگی   یوجی بپّر مرا دے جوگی

بَت = بات،

بھول دو پہری جانہہ راتا   بھول جھجر نہہ جو جو کہے باتا

بَتیس = تیس اور دو۔ حرف 'ب' دو کے معنی دیتا ہے۔ چنانچہ بارہ بائیس۔ بیالیس وغیرہ میں ہے۔

بتیسی = بتیس دانت، دانتوں کی لڑی

جن بھادوں لس دامن دیسی   چمک اُٹھی تس تہیں بتیسی

بَٹ، باٹ = راہ، راستہ

لابھ جان آیوں یہ ہاٹاں   مول گنوائے چلیوں تہ باٹاں

بٹاو = مسافر

کرہ درشت بھر ہوہ پٹاو — آگو دیکھ دھرہ جھٹیں پاو

بٹپار، بٹپارا، بٹمار = لٹیرا، ڈاکو

بیچ بیچ کھوہ ندی او تا را — ٹھانوہ ٹھانوں اُٹھ بٹپارا

بیج، بیج، بِجری (ہندی بِجّ، بجری) = بجلی، برق

او تر نہہ بیگ چڑھنے پائیں — چمکنہ منہہ بیج کے نائیں

بجر (بہ سکون ثانی) پتھر

پھر نہہ بچر گجرنت ہوی — ہیا بجر من جاگ نہ کوی

بیچ، بیچ = درمیان

آسے دو ونا تنگ بیچ بھیے — دیکھ منجور ٹھمک رہ گیے

بُدھ = عقل

اینہ بکھ چارین سب بُدھ ٹھگی — او بھا کال ہاتھ لے لگی

بدھ، بِدھنا، بِدھاتا = خدا، خالق

بدھ ملاو جا سوں من لاگا — جو رنہہ تو ر بیم کہ تا گا

بڈبول جیبھ مکھ چھوٹی = چھوٹا منہ بڑی بات۔

کا دہ بنکھ کوٹ منہ کوٹی — اس بڈبول جیبھ مکھ چھوٹی

بر = برابر

او جنہ سمند ہیم کر دیکھا — تنہ یہ سمند ریوند بر لیکھا

بِرتھا = بے فایدہ، بے کار۔

آگوں دیکھ کرے تہ کا جا — ڈری برتھا آہین من لاجا

برکھ = اصل اس کی 'ورش' یا 'ورشا' ہے جو برس یا برسا (برسات) ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی مہینوں کا شمار شروع برسات سے ہوتا ہے، اس لیے 'برس' یا 'برکھ' سال کے معنیٰ میں بھی استعمال ہونے لگا اس کی تبدیل شدہ صورتیں یعنی برسات اور برکھا، بارش کے معنیٰ میں مخصوص رہیں۔

بارہ برکھ منہ بھئے سورانیں   راجین سنا سنجوگ سیانیں

برکھ (ہندی "برکش") اس کی تبدیلی 'برچھ' کی صورت میں بھی ہوتی ہے بمعنی پیڑ، درخت

گیر پہاڑ پربت کتہ پیاینہ   برکھ اُچار جھار کھ میلنہ

برن = قسم، نوع

مولسری بیلا اور کرنا اں   سبھی پھول پھولے پر برناں

برنوں = بیان کروں

پن آئے سنگل گڑھ پاسا   کا برنوں جنو لاگ اکاسا

بَرُنیں (اصل برونی) = پلک، مژگان

برنیں کا برنوں اِم بنی   ساندھے بان جان دو نہ انی

بِروا = نخل، پودا، مشہور ہے:۔ ہونہار بروا کے ہوت چیکن چیکن پات

بروا سوکھ پا دجس نیرو   سنت بین تس پلیہہ سرپرو

برونڈا = زور آور

تب سُر جا گو بنا برونڈا   جن سدد کیر بھیو ڈنڈا

برہ = عشق

برہ بھنور ہوے بھانور دے اہی　　کھن کھن جیو ملو رتہہ لے اہی

بَری = چوڑی، سہاگ کا سامان

رو مونہہ راتی تجا یہ اناں　　پھو رنہہ بری کرتہہ گھر ناں

بَرِیار = (بل + یار) زبردست

سرجا بیر یہ کھ یہ یار و　　تاجن ناگ سنگھ اسوا رو

بِس، بِکھ (اصل وِش) = زہر

چیری ار دمن بیرا گا　　ستوا کا بول جا تہہ بکھ لاگا

بسائندہ = بدبو، سڑاند

جے جے نیکھ باس توہ لئے　　پانی متہہ سو بسائندہ بھئے

بِس بَھر، بِسہر، بِس دھر = سانپ

کا ے کیس بسہر بس بھرے　　لہریں لینہ کنول مکھ دھرے

بَست = (ہندی وستو) = چیز

ہیں گھمو ت بھرے ست بسی　　اور بست بہو سنگلدیپ

بِسرا = بھولا

مینٹھک جو پہنچے یہ کرگھالو　　دکھ بسرے سکھ ہوی بسراموں

بِسرام = (ہندی وِشرام) یہ آرام

راجہ ہے جب لگ سر گھاموں　　ہم تم گھر کر تہہ بسراموں

بسیٹھ = قاصد، قاصدی کرنا

پھل گر وانت ہوے میٹھے — تو ہیں اُٹھ کینہ بیٹھے

بسیکھ (اصل "وشیشیہ") زیادہ، خاص اور مجازاً قدر کے معنی میں بھی آیا ہے۔

جین نہ دیکھ کا جان بسیکھا — پیم بار سو کھے جو دیکھا

بَگ، بگل = بگلا، مشہور پرندہ

دھن نسرین جن بیرہ بہوٹی — کوکل بین پانت بگ چھوٹی

بَل = قوت، زور

بَلی = بل والا، طاقت ور

مدد بیر حمزہ اور علی — پہلوان سو کہا تے بلی

بِل = قربانی، بھینٹ

موہ دکھاو، دیوں بل جیو — جنہ نین نوین دیکھا بیو

بلہاری = قربان، نثار

سیس دیوں بلہاری او ہے — جو یہ گھری ملاوے مو ہے

بِلنب = دیر

کرت بلنب بہت دکھ پاوا — جو آدھیر سو بلنب نہ لاوا

بن = جنگل

ترور جات نہ دیکھا کاو — تہ بن رہت گیہ ہم آدو

بِن = بغیر، مخفف ہے 'بنا' کا

یہ بچتاو، چلیوں بن سیوا — جو اچھا من کینہ سو جیوا

بِناس = (ہندی وِناش) بربادی

جہاں انکور تہاں نیک نہ ما جو ٹھاکر کیر بناس نہ کاجو

بَنج = سودا، سامان فروخت

جھرے بھاڈھ کا گاہک ہوں آوا بنج نہ ملا رہا پچھتاوا

بنجارا = (بنج + ہارا) سوداگر

سون روپ بھل بھیو پسارا دھول سری پنچھنہ بنجارا

بَنس = (وَنش) نسل

دھن ماتا اور پتا بکھانا جنہ گی بنس انس اس آنا

بَنس، بانسری = بانسلی

ہرے سو سرجا ٹک ادکو کلا بین بنس دی بین نہ ملا

بوڈ، بوڑ = ڈوب، غرق

دھنی سنگھ نہ سنگی پوری پانی بوڑ رات دن جھوری

بوہت = کشتی، ناو

چڑھا بیگ اد بوہت بیلی دھن وے پرکھ پیم جنیتھ کھیلی

بُہہ، بَہت، بُہتے = کثیر و اکثر۔ الفاظ صحیح کے آخر میں اکثر حرف "ت" کا اضافہ کرتے ہیں چنانچہ "بہت" میں بھی "ت" زائد ہے اسی طرح "برسات" میں بھی۔

بہ پھلوار لاگ چہو پاسا پرکھ بیدھ چہدن گی باسا

بھا = ہوا۔ یہ "بھیا" کا مخفف ہے۔ دکنی میں ایسے مقامات پر حرف "ی"

تحریر میں لاتے ہیں۔ لیکن تلفظ میں نہیں لاتے۔ چنانچہ علی عادلشاہ شاہی کے ذیل کے شعر میں دیکھیں۔

دیکھو اچنبا لگیا ہے یوبن نوے گلاں سو بھریا ہے سارا
سرو صنوبر سمن کی بیلاں پھلے ہیں پھولاں اچھے ہکارا

اودھی اور اُردو دونوں میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں چنانچہ دھیان، پیاس وغیرہ میں بھی حرف "ی" کی آواز بہت ظاہر کر کے نہیں بولتے ہیں۔ اسی سبب سے اودھی میں اکثر ایسے لفظوں میں جن میں "ی" کو تلفظ میں نہیں لاتے اس حرف کو تحریر میں بھی ساقط کر دیتے ہیں چنانچہ "بھیا" کی جگہ "بھا" اور "گیا" کے مقام پر "گا" کا استعمال اس زبان میں عام ہے۔

مگر مجھ ڈر ہیں نہ لیکھا — آینہ جھوں پار بھا دیکھا

بھات = چاول، پکایا ہوا چاول۔

جو ٹر کر کٹا پے بھیکھ چاہا — جرگیہ تات بھات سوں کاہا

بھاٹی = بھٹی

برہن دگدھ کینہ تن بھاٹی — ہاڑ جرا اسے دینہ جس کاٹھی

بھاجن = بھاگنا

بھتر رہنہ رس لوہ چیا نہیں — بھاجنہ پونچھ سیں اوپرا نہیں

بھار = بار، بوجھ

کوئی ہیرو جان دتھ ہانکا — کوئی گر دبھار بدانتا نکا

بھاگ = اصل اس کی 'بھاج' ہے قاعدہ ہے کہ حرف 'ج' کی تبدیلی 'گ' کے ساتھ ہو جاتی ہے: 'قسمت' اس کا صحیح ترجمہ ہے تقسیم کرنے اور مقدر یا نصیب کے معنی میں آتا ہے۔ مجازاً اقبال بھی مراد لیتے ہیں۔

کو دیکھیے پاوے دہ ناگو — سو دیکھیے ماتھے من بھاگو

بھالو = ریچھ، مشہور درندہ

مورے پی کا ستر دیو پالو — سو کٹ پوج سنگھ سر بھالو

بہان = صبح، سویرے، آئندہ کل

بھا بہان پنڈت سب آئے — کاڈھ پران جنم ارتھائے

بھانڈا = برتن، مٹی کا برتن

بھانڈا آئے بن کھنڈ جہنہ کوا — کہس مار میلوں اب سوا

بھاو = نرخ، انداز، ادا

سوا سو بیر ہیرا من لاجا — اور بھاو کا برنوں راجا

بہتک = بہت + اک، بہت سے، ایسے مقامات پر 'اک' 'تھوڑے' اور 'کم' کے معنی میں آتا ہے چنانچہ "گھڑک" (= گھڑی + اک، بمعنی 'ذرا دیر' میں ہے۔ بعض اوقات تخمینہ اور اندازہ بھی مراد لیتے ہیں چنانچہ "کیتیک" (= کیتے + ایک) بمعنی کتنے ہی اس کی مثال ہے۔

بہتک ٹوٹ بھئی نو کھنڈا — بہتک جائے پری برہمنڈا

بہتن = بہت کی جمع ہے اودھی میں فارسی کے قاعدہ کے مطابق 'ان' سے جمع بنانے کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں لیکن عام طور سے اس مقصد

کے لیے صرف 'ن'، کا اضافہ کرتے ہیں۔

جھنہ دن دس جوت نرمے ۔ بہتن جوت جوت وہ بجھے

بُجھ، بُجھا = بازو، ضلع، شاخ

بجھا لنک اوکیھر جیتا ۔ مورت کا تہہ دکیھ گو بیتا

بَھر = پورا، سب مجازاً بمعنی برابر بھی آیا ہے مثلاً "منٹھی بھر" اور کبھی ذریعہ اور واسطے کے معنی بھی لاتے ہیں۔

دھن سو کبھی بھر بھادوں ناہاں ۔ ابھوں نہ آئے نہ سینچس ناہاں

بہُر = (اصل بہُری) پھر، پیچھے، مابعد

جنہ وہ پائی چھاتہہ انو پا ۔ بہُر نہ آئے سہی یہ دھو پا

کبھی کبھی "اب بھی" اور "اب تو" کے معنی میں بھی آیا ہے۔

نہ دیکھیں پی پلہوی کیا ۔ او تر اجیت بہر کرہ میا

بہُرنگ = جھینگر

اب کی تپنگ بہرنگ کی کرا ۔ بھنور رہو توں جنہ کارن جرا

بہس، بہنس، بہنسا = مسکرایا۔

آئے ملے جیتور کے ساتھی ۔ سبھی بہس کے دینہ ہاتھی

بَھلہ = بھلا، اچھا

بھلہ سو آیا رہے ناہاں ۔ مو روپ کے کو جگ ماہاں

بھُم، بھوئیں = زمین۔ مرتبین "گریل کتھا" کے نزدیک یہ لفظ پنجابی ہے (گریل کتھا ص ۱۷۲) لیکن انھوں نے سند نہیں پیش کی۔

راگھو بھپیر سیس بھوئیں ڈھر — جگ جگ راج بھان کے کرا

بھنڈارو = خزانہ

دھنپت اُہی جہک سنسارو — سبھی دئے نت گھٹ نہ بھنڈارو

بھنسار، بھنسہر = صبح

گاندھیار رین مس چھوٹی — بھا بھنسار کرن رب بھوٹی

بھوج، بھوگ = عیش، لطف

گھر گھر سنگل ہوئی سکھ بھوجو — رہانہ کتہوں دکھ کر کھوجو

تمھ راجا چاہہ سکھ پاوا — جوگنہ بھوگ کرت نہ بھاوا

یہی لفظ کھانے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

بھٹیں سنجوگ جوری اس مرنا — بھوگ ہے گئیں بھوگ کا کرنا

بھونجا = بھونا بحذف "ج"

کھن یک مارہ مانس اس بھونجا — کھنہ چباے سنگ ہوے گونجا

بھیتر = اندر

بھیتر منڈپ چار کھنبہ لاگے — جنہ وے چھوے پاپ تنہ بھاگے

بھیج، بھیگ = تر ہونا، تر

نینہ چلے رکت کی دھارا — کنتھا بھیج بھیو رتنارا

بیا (بہ کسرۂ معروف) = بیج، بیجا بہ اضافۂ "ج"

بہراہیٔں کھجور کر بیا — بہری نا نہیں مور یا ہن ہیا

بیادھ = چڑی مار، صیاد

سوے تہاں دن دس کل کاٹی　　　آے بیادھ دھو کالے ناٹی

بیاکل = بے چین، بے کل

بھول سموتیا رہے جو پاوا　　　بیاکل ہوے نیند نہ آوا

بٹھک = نشست، نشست گاہ

سونہہ ساہ کر بٹھک جہاں　　　سامنہ ناچ کراوے تہاں

بیر = بہ وزن "تیر" یعنی رزم

بیر سنگار دوو اک ٹھانوں　　　ستر سال گڑھ بھنجن ناتوں

بیر، بیرا = بھائی

تا سوں دکھ کہیے اے بیرا　　　جنہ سُنکے لاگے پر پیرا

بیری = دشمن

کا بھولوں یہ چیندن چونواں　　　بیری جہاں انگ کے رونواں

بیڑن = طوایف

جانہ گت بیڑن دکھرای　　　با تہہ ڈُلاے جیو لے جای

بیڑا = پان کا بیڑا۔ جب کوئی شخص کسی سخت مہم کے لیے آمادگی ظاہر کرتا تھا تو پان کا بیڑا اٹھالیتا تھا۔

وہ ہنکار کے بیرا دینھاں　　　تورے پرمن یہ جیو کینھاں

بَیس = (بہ فتحتین) = عمر

بردھ بَیس جو بھئی　　　جوبن ہت سوا وستھا گیی

بَیسیا = "بیسوا کا مخفف ہے۔ "سوا" بمعنی عورت۔ بیسوا بمعنی

بے عزت" دید مادوت)

بسیا، بسیارا = بٹھا، بٹھالا۔ اب بٹھایا کہتے ہیں

انجھ سگھاسن پاٹ سنوارا — دولھہ آن تہاں بیسارا

بیگ = جلدی

راجہ چلا ساج کے جو گو — ساجو بیگ چلو سب لوگو

بین = (بہ فتحتین) بیان کرنا

اودھر تنبور کپور رکھیو سیئیاں — چندن رج رج لاونت بیناں

بین = آواز

ہرے سو سر جاتک او کوکلا — بین بنس دے بین نہ ملا

بینی = چوٹی

بھونہہ دھنک جو چھپا اکاسا — بینی باسک چھپا پتارا لا

بیوان = ہوادار، شاہی سواری،

"تتکھن آسے بیوان پہنچا — من سوں ادھک گگنگن سوں اونچا

بیوگ، بیوگی = جدائی، حالتِ جدائی، عشق، فراق

تجا راج راجا بھا جوگی — او کنگری کر گہی بیوگی

بیوگی = عاشق، فراق زدہ

سن راجہ پن ہوے بیوگی — چھانڑے راج چلے ہوے جوگی

بیوہار، بیوہارو = معاملہ، برتاو

سونا ونج پی سیے ہارد — اوچی سے کیجے بیوہارد

بیہڑ، بیہڑ = اوبڑ کھابڑ، ناہموار، سخت، مشکل اور جُدا کے معنی میں بھی آیا ہے۔

بیہڑ بیہڑ سب کی بولی   بدھ یہ کہا کہاں سو کھولی

مولانا محمد حسین آزاد فرماتے ہیں:۔

" بیہڑ کا لفظ دلّی میں مستعمل نہیں ہے " (آبِ حیات)

(پ)

پاپ = گندگی، گناہ

پان سمندر ملا ہوے سوتی	پاپ ہرا نرمل بھئی جوتی

پاتر = طوائف

جہاں گیر کنوج کو راجا	وہاں پان پاتر کے لاگا

پاتی، پتر = خط

پاتی لکھی سنور تہہ ناماں	رکت لکھے اکھر بھئے سیاماں

پاٹ = پتھر، تختہ

پاٹاں بیرے آرے توں نہی	ایسں نجانہہ بھول کہاں آہی

اور تخت کے معنی میں بھی آیا ہے

پاٹ گھعادیوتنہ بیٹھی	سرگ تپا رین دن دیٹھی

پاس = طرف، سمت

بہ پھوار لاگ پہو پاسا	ہر کہ بید ھ چندن کی باسا

پاس، پاساں = قریب، نزدیک

تہاں اچھر پدماوت رتن سین کے پاس	ساتو سرگ ہاتھ جن آرے او ساتو کیلاس

پالنگ، پالگ = پلنگ

تہ پالنگ سیج سو دا سی — کینہ بچھاوت پھولنہ پاسی

پانت، پانتی = جھنڈ، قطار

جنہ چڑھیں بھونرن کی پانتیں — چندن کھانیہ پاس کی ناستیں

پانڈک = فاختہ

نا پختہ پانڈک مور پپیوا — تیھل نجاوے کاہ کی سیوا

پانور، پانولی = پانوڑی، کھڑاوں، جوتی

پانور کنک جڑاو پانوں — دینہ اسیس آے تہ ٹھانوں

پاہن = پتھر

پاہن چڑھ جو چہی بھا پارا — سو ایسے ناید مونہہ دھارا

پاہن = مہمان - اور داماد کے معنی میں بھی آتا ہے۔

پاہن ادپہ بہیرے ناہیں — پیہا داہ ادھین پر چھاہیں

پا، پاے = پیر ظاہر یہ فارسی سے لیے گئے ہیں، پایا، پائیہ، پاوں وغیرہ ان کی بدلی ہوئی صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ابھوں جیگا دنہ پیلا جاگہ — آدا گرو پاے اٹھ لاگہ

پاین، پایینھ = پاے کی جمع

اب میں پیم پاین سر میلا — پاوں نہ ٹھیل راکھ کر چیلا

پت، پات = پتا، برگ

چندر پات او پھول ترا ہیں — ہدی اجیار نگر جہاں تا ہیں

پتیانا ۔ "یقین کرنے کے معنی میں قدیم دکنی میں ملتا ہے ۔ اردو میں
اب متروک ہے لیکن دہلی کے دو محاورے سنیے ۔ اندھا جب
تپیاے جب دو آنکھیں پاے ۔ بامن جیسے ہی پتیاے"
(مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۶۱) لیکن ان دونوں محاوروں کا دہلی
کا" ہونا بجائے خود ثبوت طلب ہے" چندراین" میں بھی یہ لفظ ملتا
ہے ؎ کٹنی کی بولھ پتیاہی
بکھ جو دینہ انبرت دکھراہی تنہ رہے نچھو ہنہ کہ پتیاہی

پٹرن ، پٹرنی = کسبی ، طوائف
پھو در اگ گادیں پٹرنی پن تہہ کین ہیں راگنی

پٹورا (بہ واو مجہول) = دوپٹہ
ابھیں نوجوبن تپ لینہے پہار پٹورا گنتھا کینہے

پٹھاے = بھیجا ، روانہ کیا
ملے کنور کا پر پہراے درب دیکے گھرے پٹھاے

پڈھت ، پاڑھت = جادو ، منتر
یہ کرکر دچپارن لوناں سکھا کا نور و پاڑھت ٹوناں

پر = کسی چیز کے اوپر ۔ اور اس کی مختلف صورتیں اس طرح بھی آتی
ہیں : اوپر ، اوپراں ، پے ، پہ
ہوئن موزرتن جیہہ بیٹھے و بل سولی پر جوبن جیو و

پر ، پوری = ملک ، گاؤں اور محلے کو بھی کہتے ہیں ۔

ہوں تواہا امر پیہ جہاں   اِہاں مرن پور آیوں کہاں

پراپت = حاصِل

بار آے تب گانوں سوی   کیمیں بھگت پراپت ہوی

پُران = قرآن پاک سے مراد لی گیی ہے

پن عثمان رضؓ بڈ پنڈت گنیں   لکھا پران جو آیت سنیں

پربت = پہاڑ، اور خود "پہاڑ" بھی آیا ہے

ہے آگیں پربت کی باٹی   بِکھم پہاڑ اگم سٹھ گھاٹی

پَربھات = صبح

جانہ رکت ہتھوریں بوڑیں   رب پربھات تات و سبھوریں

پرتاب، پرتاپ = نور، مجازاً اقبال بھی مراد لیا ہے

بڈ پرتاب تور جگ تپا   نو کھنڈ تو ہ کو ونہ چھپا

پَنتھ = راستہ، اکثر "پنتھ" بھی آیا ہے بہ اضافۂ "ن"

تو ین مور گرد تو رہوں چیلی   بھولی پھرت پنتھ جین ہیلی

پرتھم = پہلا

پرتھمیں = زمین، دنیا، پرتھوی

جاکر دھرے پرتھمیں سیئی   چھپے تو مارے اوجیہ لیئی

پرچھائیں = عکس

وہ سوجوت ہیرا اُپرا ہیں   ہیرا دیپہ سوتہہ پرچھاہیں

پُرس، پُرکھ (اصل "پُرش") مرد

تو ین رس پرس نہ دوسر پاوا   تنہ جاتاں جنہ لینہ پر اوا

پرکار = قسم، نوع

پچ بانون پرکار جو آوے   نہ اس دیکھ نہ کھیوں کھاوے

پرگسی = روشن ہوا

مندر نہہ جگت دیپ پرگسی   پنتھ تک چاہت بسیر ہیں لسی

پرلو = قیامت

بھا پرلو اس سب ہیں جاتا   کاڈھا کھڑگ مرگ نیراتا

پریت = آسیب، بھوت

چتین پیا نہ آوے جیتو   سبھنہ کہا یہ لاگا پریتو

پریت، پیت = محبت

ہدل مانس تول پنکھ پیارا   دھرم پریت نہاں کو مارا

پریتم، پیتم = معشوق

موہے بھاوے اونچ سیوٹھا او   اونچی لیوں پریتم ناوں

پریم، پیم = عشق

ابھرے پیم مدھ بولے بولا   سنی سوہانت گھیم کے ڈولا

اٹھی کونپ جیوں ڈالیوں داکھا   بھے انت پریم کی ساکھا

یہ لفظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ کے وسط میں کبھی
حرف "ر" زاید لانا درست ہے اسی قاعدہ سے پیا اور "پریا" یا دونوں
بھی ہے بمعنی معشوق

پریوا = پرندہ، کبوتر بھی مراد لیتے ہیں۔

ہیرامن توں پیاان پریوا — دو کھ نہ لاگ کرت تہ سیوا

مجازاً قاصد کے معنی میں بھی آیا ہے

کرت جو رہے ساہ کے سیلو — تنہ کنہ پن اس آوے پریوا

پسارا = کھولا، پھیلایا

نین پسار چیت دھن چیتی — دیکھے کاہ سمند کی ریتی

پکارا = فریاد، بلاوا

جاے اندر سوں کہینہ پکارا — ہوں پدماوت دیس نسارا

پکھارہوں = دابوں گا، دیاوں گا

جو یہ جیو سنگ چھانڈ لگایا — کہیوں سیو پکھارہوں پایا

پگ، پاگ، پہگ = قدم

دلو تا ہاتھ پاؤ پگ لیہیں — جہاں پگ پرہی سیس تہ دیہیں

پیگ پیگ ٹھیس چاہت آوا — پنکھ دیکھ سبھن ڈر کھاوا

پاتال، پالال = زمین

آدے اگست ہست تن گاجا — تہ ی پلان چڑھی رن راجا

پلاس = ڈھاک

جرہہ جو پربت لاگ اکاسا — بنکھنڈ دہکھنہ پلاس کو پاسا

پلہوی = سرسبز

پاہن سیوا کہاں پسیجا — جرم نہ پلہوی جو نت بھیجا

پُن = "بروزن پُن بمعنی پھر" (پدماوت ص ۶)

پَن، پان) = تمبول

پان پھول رس رنگ کرتے بجے | آدھر ادھر سو چکھا تے بجے

پَن، پان = آب، پانی۔ لفظ "پانی" مذکر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرف "ی" زاید ہے اور اسی لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

پان بھرن آنو تہ پنہاریں | روپ سروپ پدمنی ناریں

پُن = کارِ ثواب، ثواب

ترت جو دان پان ہنس دیجے | تھوڑا دان بہت پُن لیجے

پنتھک، پنتھک
پنتھی، پنتھی = رہ گیر، مسافر

پنتھک کتہ کہواں ستاای | پنتھ چلیں پے پنتھ سرای

پنجر، پنجرا = صندوق، قفس اور مجازاً ڈھانچہ اور ارتھی کو بھی کہتے ہیں۔

آج کیا پنجر بند ٹوٹا | آج پران پریوا چھوٹا

پنڈ، پنڈا = بدن، ڈھیر

پنڈ چڑھا ای چھار چت آٹی | ماٹی ہون انت جو ماٹی

پنور = ڈیوڑھی، دروازہ

آج پنور دکھ بھا نہ مرا | جو سلطان آئے جگ دھرا

پوچھار - (پونچھ + ہار) مور

بھئی پوچھار لینہ بن باسو   بیرن سوت دینہ چیلوا سو

پورا = (بہ واو مجہول) ڈالا، لگایا

سبہس سبہن کے سیند ر پورا   سیس پور سب مانگ سندورا

پَوَن = ہوا

پون ڈولا و نہہ سنچہ چولا   پھر کے نار سمجھ کچھ بولا

پھاند، پھاندا = پھندا

یہم پھاند جو پرا نہ چھوٹا   جیو دینہ وہ پھاند نہ ٹوٹا

پھُپ = پھول

کانپوں بھنور پہپ پر دیکھیں   جن سس گہن تیس مہ لیکھیں

پھِٹک = پتھر

سیت پھٹک سب لاگے گڈھا   باندھ اٹھائے جہوں گڈھ مڈھا

پھول جھڑنا

پھول، دوپہری جانہہ رتاتا   پھول جھر نہہ جو جو کہے باتا

پھول وہ جو مہیسر چڑھے

اسی سب دیوں آئی گھر میں   پھول سوئی جو مہیسر چڑھیں

پھیر مانگھو = "ہندوستان کی رسم ہے کہ جب فقیر کو کچھ دینا منظور نہیں ہوتا تو اس سے کہتے ہیں تو پھر مانگ، یہ سن کر وہ مایوس پھر جاتا ہے" (یادداشت ص ۴۸۳)

پے = لیکن، پہ، پر

پے گسائیں سن اک باتی　　　مارگ کٹھن جات کہہ بھانتی

پیاس = عطش پینے کی خواہش۔ اس میں صرف حرف "س" خواہش کے معنی میں ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے :-

"لفظ "اس" کے آخر میں آنے سے معنی شوق کا فایدہ حاصل ہوتا ہے چنانچہ پیاس، موتاس، ہگاس" درسالہ گلکرسٹ ص (۵)

کے پیاس لاگ تہ ساتھاں　　　پان دیہہ دستر تھ کے ہاتھاں

پیان = سفر، کوچ

بھیو پیان چلا تب راجا　　　سنکھ ناد جوگن کر باجا

اور مجازاً قیام کے معنی میں بھی آیا ہے

پاتاہ ہٹہ گینہ پیاناں　　　اندر بر ہمنڈ ڈول ڈرماناں

پیانا = بلانا

تم پاریں تب سنگلد پیاں　　　لینھے دودھ پیانوں سیپاں

پیت = زرد، پیلا

کھنہ پیت کھنہ سوکھ سپتیا　　　کھنہ چیت کھنہ ہوا چپتیا

پیٹھا = داخل ہوا

روپ گرد کرچلیں ڈیٹھا　　　چیت سمائے ہوئے چیر پیٹھا

پیڑ، پیڑا (بہ یائے معروف) درد، تکلیف

کہو سو پیر کاہ پن کھانگا　　　سمند سمیرا دتمہ مانگا

پیڈ، پیڑ = درخت

کنک بنکھ پیڑ نہہ آت لونیں — جانو چیتر ستوارے سونیں

پیسارو = داخل ہوئی۔

پدماوت گیسی دیو دوارو — بھیتر منڈپ کینہ پیسارو

پیمک = محبت، اصل اس کی "پیم" ہے بعض دوسرے لفظوں میں بھی اِسی طور پر "ک" کا اضافہ کر لیتے ہیں۔

پیمک لبدھ بھرا او اندھا — ناچ کو دیا نہو سب دھندا

(ت)

تُ = "تو" کا مخفف ہے، اسی معنی میں الف کے اضافہ کے ساتھ "تا" بھی آیا ہے۔

کار اجا ہوں بر نوں تا سو   سنگلدیپ آہ کیلاسو

تَ، تا = وہ

جو گا تہاں بھلا تاں سوی   گیے جگ بیت نہ بہرا کوی

تا، تائیں = تک

انوٹ بچھا نکہت ترائیں   پہنچ سکے کو پا نیھ تائیں

تات، تاتا = گرم

اب لگ سکھی پون بہت تاتا   آج لاگ موہ سیتل گاتا

تار = دھاگا، ڈورا

مانہ تلن کھنڈ دوی نہ سیے   دونہ بچ لنک تار رہ گیے

تار، تال = تالی

اوڈسا ناچ نچنیاں مارا   رہنسی ترک باج گے تارا

تارا منڈل = تارا منڈل یعنی تاروں کا جھنڈ اور "ایک لطیف کپڑا"

(پدماوت ص ۱۷۶)

تارا منڈر پہیر بھل چولا   بھری سیس سب نکھت امولا

تاگا، تاگو = ڈورا

ہیے سوں موڑ چلے وہ تاگا   بیگ دیت کت سہسک لاگا

تائیں = واسطے، کے لیے

گون آو دھن ملن کے تائیں   کون گون جو گونی سائیں

تپ، تپن = گرمی، حرارت، تپش، ریاضت کے معنی میں بھی آیا ہے۔

پیا بسیا کہ تپن اِت لاگی   چولا چیر چندن بھا آگی

تپاوہ = جلاوہ، ترساوہ، تڑپاو

اب تمہ آے اَنتر ہیت ساچا   درس کہ کنہ نہ تپاوہ راچا

تپاونت = "تپ بمعنی ریاضت و مشقت و 'ونت' کلمہ ظرفیت بمعنی 'مند' جیسے دردمند اور زبانِ بھاکھا (اودھی) میں مثال ونت کی جیسے روپونت"

(پدماوت ص ۲۲۴)

پتا ونت چھالا لکھ دینھاں   بیگ چل او چھوں سدھ کینھاں

تپت = تپش

کنول تھنورا وہی بن پاوے   کو ملاے تن تپت بجھاوے

تت کھن = فوراً، اُسی وقت

جہنہ لگ راج ساج سب ہوو ۔۔۔ تتکھن بھیو سنجو سنجیو

تج = چھوڑ

آج نیہ سوں ہوی نبیرا ۔۔۔ آج بھسم تج تتکھن بسیرا

تر، تل = تلے، نیچے

نیر ہوے تر اوپر سوے ۔۔۔ کہا آر تیہ سمند منہ ہوے

تِرا = پار ہوا، تیرا (یہ پاے جھول)

پہلنہ پیم ہے کٹھن دوہیلا ۔۔۔ دو جگ تِرا پیم جیہ کھیلا

تُرت (اصل "ترنت") = فوراً

پے اب ترت دان کچھ پاتوں ۔۔۔ ترت گھی ذبہ باندھ چڑھاتو

تُرک = مراد مسلمان سے ہے

سُن پدمنی گڑھ چھینکا آئی ۔۔۔ ہتہ و ترکنہ بینی لڑائی

تُرنگ، ترنگم = گھوڑا

ایس ترنگم پرے نہ دیٹھی ۔۔۔ دھن اسوار رتہہ تہنہ بیٹھی

ترور = درخت

ترور سبھے ملیگر لاے ۔۔۔ بھنی بیگ چھا نہہ رین ہو دی آے

تُرِی = گھوڑا

گر جب جوچڑھ ترِی گی بیٹھی ۔۔۔ اب سوتجہ سرگ سو دیٹھی

ترِیا = عورت

مکھ پھیرا ہے من او پنے ریا چلت نہ ترہا کیہ مکھ دیا

تیری روگ ہرماتھے = تھوڑے کی بلا بندر کے سر

مکھ یہ کھوج ہوے نس آے تیری روگ ہرماتھے جاے

تکھار = گھوڑا

سو تکھار تیس گنج پاوا دند بھئے او رچو گھری پاوا

تل، تلے = نیچے

کوی چندن پھولنہ جن پھوے کوی اجان برواتل بھوے

تمچور = "کنجشک خانگی کو کہتے ہیں اور بعض خروس کو بھی بولتے ہیں" (پدماوت ص ۶۲)

گھرن پیرو اکیون اٹھاوا جیسے بول تمچور سناوا

"قاعدہ ہے کہ طوطا یا دھیر وغیرہ میں جو صاف بولتا ہے تو اور ہم جنسوں کو سناتے ہیں کہ وہ بھی سن سکے اسی طرح صاف بولیں" (پدماوت ص ۲۷۴)

تن، تنہہ، تہ = وہ - مرتب "قصۂ مہرافروز" نے "ان کو" بروج "بتایا ہے (ص ۸) لیکن سند نہیں مثنوی کی

تنہ کیول بائیں تل پڑا جیہ تل دیکھ سو تل تل جرا

تنبور، تنبول = پان

مکھ تنبول رنگ ڈھار نہہ رسا کیہ مکھ جوگ سو تیرت بسا

تنبولی = پان فروش

توں، تویں = تو

تویں راجا کا پہرس لتھا   توریں گھر نہہ مانجھ دس نیتھا

تے، تہہ = وہ

پارس جوت للاٹ نہہ اوتی   دشٹ جو کرے ہوئے تہ جوتی

تے، تیں، تھے = سے۔ حرف 'ت'، اور 'س'، ایک دوسرے سے تبدیل ہو سکتے ہیں۔

گنگن وشٹ سوں جائے پہونچا   ہیم او شٹ گنگن تیں اونچا
سورہ سہس پدمنی رانیں   ایک ایک تے روپ بکھانیں

تیں = تو

تیں سورنگ مورت وہ کہی   چیت منہ لاگ چتر ہوئے رہی

تیر = کنارہ

تس مرہوہ موند اب آنکھی   لاوں تیر ٹیک بیا کھی

تیوہار = تقریب

بھا تیوہار راجو چاچر جوری   کھیل پھاگ اب لائی ہوری

(ٹ)

ٹوک = ٹکڑا

بوہت ٹوک ٹوک سب بھئے — الیس نہ جانا بونہہ کہاں گئے

ٹھاڑ = کھڑا

دھرتی بان بیدھ کے راکھی — ساکھا ٹھاڑھ دئے سب ساکھی

ٹھاکر = مالک

جہاں انگور تہاں نیگ نہ راجو — ٹھاکر کیر بناسنہ کا جو

ٹھاوں (اصل "ٹھام") = جگہ ۔ کہا گیا ہے کہ:۔

"ناوں اور ٹھاوں قدیم دکنی اور اُردو میں عام مستعمل تھے دہلی کے دو محاوروں میں یہ جوں کے توں ملتے ہیں۔ پھٹے میں پاوں دفتر میں ناوں۔ ثابت قدم کو ہر جگہ ٹھاوں۔"

(مقدمہ تاریخ زبانِ اُردو ص ۲۶۲)

یہ بات محتاجِ ثبوت ہے کہ یہ محاورے "دہلی کے" ہیں۔ اودھی کا قاعدہ ہے کہ 'م' کی جگہ نون غنہ لے لیتی ہے چنانچہ "نام" سے ناوں اور "ٹھام" سے ٹھاوں ہو جاتا ہے۔ ٹھاوں گاوں وغیرہ اِسی طور پر رایج ہیں۔ البتہ زبان اُردو

پر جب میرزایانِ دہلی کا تسلط ہوا تو انھوں نے "ناوں" کو ترک کر کے اسے فارسی تلفظ "نام" کے ساتھ دوبارہ رواج دیا اور اب اردو میں یہی مستعمل ہے،

سنت کھن نا جا کہ نانوں — کھلا ہلاس سب ٹھانو نہہ ٹھانوں

ٹیک = پکڑ کہ سہارے

پاے ٹیک نہ لاوں ہیریں — پریم سندیس کہو ہوی تیریں

ٹیلا = اونچی جگہ

ڈھونڈوں یال ناتھ کہ ٹیلا — متھرا متھوں نہ سوپیو میلا

(ج)

جا = جو، جس

جا کہ جیو مرے پیہ لبا   سو ری دیکھ سو کس نہ ہنا

جا = 'یا' یہ اکثر حرف "ی" کی تبدیلی "ج" کے ساتھ ہوتی ہے

چنانچہ یمنا اور جمنا میں ہے

جانب (جام) = جامن

کاہو گہے آنب کی ڈار ا   کوی یرہ جانب ات چھارا

جانو = گویا۔ اِس کی کئی صورتیں مستعمل ہیں۔

جنو، جنن، جنہ، جنہو، جانہو

سات سہس ہستی سنگھلی   جن کیلاس ایراپت بلی

جنہ سمجھا دیو تن کہ جو ری   پرے دشٹ اندر اسن پوری

جِت، جیت = جتنا، جتّا

جیت براتی او اسوارا   یہ سب مورے چا لنہارا

جَتَن = ترکیب اصل اِس کی "یتن" ہے

کونے جتن کنت تمہ پانوں   آج آگ ہوں جرہجا نوں

جرم = جنم۔ اِس لفظ میں "ر" کی جگہ "ن" نے لی ہے اور اِس تبدیلی کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً پہرنا سے پہنا یا سرپ سے سانپ۔

کتھا جو کہی آئے پی کیری   پانو رہیوں جرم بھر چیری

جڑیّا = جڑنے والا، اسم فاعل بنانے کے لیے اکثر یائے مشدّد اور الف (یّا) آخر لفظ میں لاتے ہیں۔ کبھی درمیان میں واو بھی لاتے ہیں چنانچہ جلوّیا لکھ دیا۔

نگ کر مرم جڑیا جانے   جڑی جو اس نگ ہیر بکھانے

جُگ = قرن، یُگ

رگھو پھیر سیس بھوئیں دھر   جگ جگ راج بھان کے کرا

جَگ، جَگت = دنیا اور مجازاً زمانہ بھی

کہاں جگت من پیو پیارا   جس سمیر بدھ گرد سنوارا

جَل = پانی

مارے چہ کے چالہہ پر ہانسی   جل تج کہاں جائے جل باسی

جِم (جِمی) جیسے، جس طرح

رہے ٹوٹ جم کنچن تاگو   کو پیو مرے دی سہاگو

جَمن = جمنا، مشہور دریا ہے، فارسی میں بھی اس کا یہی نام رائج ہے۔

سرج کرن جن گنگن لیکھی   جمنا مانجھ سرستی دیکھی

جَن = آدمی، خادم

بھئی رجالیس جن دوڑا ئے — بانبھن سو ابیگ لے آئے

جن = حرف انکار تاکیدی، مت، نہ — پربت بیل جن اڑ جھے کوی
ارجھا مو تیہ نہ چھوی سوی

جنگھ، جانگھ

جوری جنگھ سو بھات پای — کیلا گھا نبہ بھیر جن لای

جُوبَن = جوانی

بردھ بیس جو بھئی — جوبن ہت سوادستھا گئی

جوت = روشنی، حسن، نور

دامن چمک نہ سر بر پوچا — پن وہ جوت ہوئے کو دوجا

جوتکھی = جوتشی، آیندہ کا حال بتانے والا، جو تکھ جاننے والا

اہی جنم بیتری جو تکھی — دئی اہلیس بھرے جو تکھی

جوجن = "ایک جوجن تین کوس کا ہوتا ہے" (پدماوت ص ۹۸)

جوگ = (یوگ) = لایق

رتن سین بنوا گر جوری — اسنت جوگ چیبدنا موری

جوں، جیوں = مثل

پری جو آنس ایکت کی ٹوٹی — رینگ چلی جیوں بیرہوٹی

جُوہار = (بہ واو مجہول) سلام

پاٹ بیٹھ رہ گئیں سنگارو — سب رانیں وہ کریں جُہارو

جوہت = ڈھونڈھتے، راستہ دیکھتے

جر یوں بر جس دیپک باتی   ننھ جو ہت بھئی سیپ سواتی

چھرن، جھرنا = جھڑنا۔ یہ اسم ظرف بھی ہے یعنی وہ جگہ جہاں سے پانی گرتا ہے۔ آبشار

پھول دو پہری جا نہہ راتا   پھول جھرنہہ جو جو پہے یاتا

جھنکار = شور، جھن جھن

گھر گھر مندر رچے دوارا   جانوت نگر گیت جھنکارا

جھنکڑ، جھانکڑ = کانٹوں کا جنگل، جھاڑ جھنکاڑ

جھانکر جہاں سو جھاڑہ نیتھا   ہلک مکوے نہ بھاڑہ گنتھا

جھواں = جہاں۔ اصل اس کی 'جاہاں' یا 'جانہاں' ہے

تم اس بچھرے پیو پریتا   جھواں رام تہاں لنگ سیتا

جھوٹھ، جھونٹھ = باطل، کذب

اولٹ درشٹ مایا سو روٹھے   پلٹ نہ بہرے جان کے جھوٹھے

جھوجھ، جھوجھا = جنگ، قتل۔ جھوں جھوں کرنا مشہور محاورہ ہے۔

سیھ کہا اب یہ لو آوا   دھرتی سرگ جھوجھ تس لاوا

جھوجھار = (جھوجھ + ہار) سپاہی، جنگجو

جھور، جھورا (بہ واو معروف) = خشک

راجا اینہاں تیں تپ جھورا   بھا جر برہ جھار کر گھورا

جھین = باریک، پتلا، جھینا اور جھینیاں بھی آتا ہے

بسا لنک بزیں جگ جھنیں   تہ تیں ادھک لنک وہ کینھیں

جے = جو

جے سب کنور آئے ہم ساتھی   او جت ہست گھور او ہاتھی

جیبھ = زبان

کا وہ بنکھ کوٹ منہ کوٹی   اس بڈ بول جیبھ مکھ چھوٹی

جی، جیو = جان، دل، حوصلہ اور مزاج کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

کھنہ نسا اس بوڈ جیو جاۓ   کھنہ اُٹھی لنسی بوراۓ

جے مالا = ہار، وہ مالا جو عورت اپنے پسندیدہ آدمی کو پہنا ئے اس کے بعد وہ اُس آدمی کی زوجیت میں سمجھ لی جاتی ہے۔

چاند کے ہاتھ دینہ جے مالا   چاند آن سورج گین گھالا

جین = جے نے، جس نے۔ اودھی میں اکثر علامتِ فاعل مختصر ہو کر حرف 'ن' کی صورت میں باقی رہ جاتی اور لفظ ماقبل کے ساتھ ضم ہو جاتی ہے۔ مثلاً سبھی نے = سبھن، راجہ نے = راجین وغیرہ

توہی مور گرو تو رہوں چیلی   بھولی پھرت نبیٹھ جین میلی

جیون = زندگی

دھن جیون و تا کہ جیا   او نچ جگت مہ جا کر دیا

یہی لفظ کھانے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

کو وآگیں نپوار بچھاونہہ   کوہی جیون سب لے کے آدنہہ

جیویں = کھانا کھائیں

سب کنورنہ پن کھانچا ہاتھو   ٹھاکر جیویں تو جیویں ساتھو

(چ)

چاترک، چاٹک = پپیہا، چاتک

چاترک ہوہ پکار پیاسا | پیو نہ پان سوات کی آسا
ہرے سوسر چاٹک او کو کلا | بین بنس وی بین نہ ملا

چاکا = چاک

بھرت سمند جو جن لکھتا کا | جیسیں پھرے کمہار کا چاکا

چانپے = پکڑے ہوئے، دبائے ہوئے

ڈوے گدڑھ گدڑھ ییت سب چانپے | جیو نہ پیٹ ہاتھ ہیہ چانپے

چانٹا = چیونٹا۔ اردو میں بھی اس لفظ کے تلفظ میں 'ی' کو ظاہر کر کے نہیں بولتے۔ اور یہ اسی قاعدہ کے مطابق ہے جس کا ذکر لفظ 'بھا' کے سلسلے میں کیا گیا۔ شیخ ابراہیم ذوق کا مصرع ہے

ع ہے یہ ضعف اب تو کہ چیونٹی بھی نہیں یوں چلتی

تیرین دور پھول جس کانٹا | دو نہ نیر جس گرہ چیانٹا

چت = دل، طبیعت

ناگر نارہ کا ہوئیس پرا | تین بھو ہ موسوں چیت ہرا

چِتر = تصویر

بانکی چاہ بانک گڑھ کینھاں — اوسب کوٹ چِتر کی لینھاں

چَتُر = چالاک، پُھرتیلا

جوگ جھراجن اچھپرن ساتھا — جوگ ہاتھ کر بھیو بھاتھا

چَتُر = چار

چتر دساچتو ہی جن بھولے — سو ین کون جو مالت پھولے

چَتر بید = چار بید اِس طرح ہیں:-

" رگ بید میں امرونہی کا بیان ہے۔ ججر بید میں عقاید کا حال ہے

سیام بید میں بھی عقاید اور امر و نہی کا مذکور ہے اور اتھربن

بید میں توحید و عقاید بطور اسلام کے لکھے ہیں۔

رگ بید کے مطابق اس ملک میں رواج نہیں۔ ججر بید پر

اکثر کا عمل ہے۔ سیام بید پر کم تر اور اتھربن بید پر مطلق

عمل نہیں، چاروں بید آد، یعنی قدیم ہیں اور مشہور یہ ہے

کہ کتب آسمانی ہیں واللہ اعلم" (دیپ مادت ص ۱۰۴)

چتر بید مت سب وہ پانہاں — رگھ، ججر، سیام، اتھربن انہاں

چَک، چکر = چاک

نین جو چکر پھر نہہ جینہ اوراں — جیم جے وھا سی سمانے نہ گوراں

چَک، چکھ = چشم، آنکھ

جاسوں وہ ہیرین چکھ ناریں — نین بان جن ہنہ کٹاریں

چلّو = جرعہ

یک چلو رس بھری نہ پیا   جو لہ نہ پھر دوسرہ پیا

چنتا = فکر، اندیشہ

سنا ساہ ار داس جو پڑھی   چنتا آن آن چت چڑھی

چند، چندر = چاند

کہاں چھپایہ چند ہمارا   جنہ بن رین جگت اندھیارا

چنگ = چنگاری، شرارہ

سن کے برہ چنگ دوہ پڑی   رتن پاو جو کنچن کری

چنہار، چنہارکی = پہچان، پہچاننے والی، قدر شناس، شناسای
کے معنی میں بھی آیا ہے۔

ہوں رانی توں جوگ بھکھاری   جوگی بھوگ کون چنہاری

چوا = ٹپکا، برسا

مہو سے چوے سواد ہگ میٹھا سو   مدھ جس میٹھ پہپ جس باسہ

چور (واو معروف کے ساتھ) ٹوٹنا، ریزہ ریزہ

ٹوٹ سنہ پیت میر پہیارا   ہردے ہوے چور او ڈہے ہو چھارا

چولا = لباس، پوشش

تارا منڈل پہر بھل چولا   بھری سیس سب نکھت امولا

چہا = چاہا

پون جاے تہاں پہنچی چہا   مارا تیس ٹوٹ بھئیں رہا

چھاج، چھاجا = سزاوار، لایق، بھلا لگنا، زیب دینا

تمھ باری پیو بھوجک راجا — گرب کرو د بھوہی پے چھاجا

چھار = خاک

بجراگن رہن ہوہی چھارا — سلگ سلگ وگدھی بھئی چھارا

چھال، چھالا = کھال

مندرا سردن کنٹھ جپ مالا — کر ادھیان کاندھے سنگھی چھالا

چھانہہ، چھاتہاں = چھاوں، سایہ، عکس

چھپاوت جو دیپ اِت مانہاں — پدماوت کے جوت کی چھانہاں

چھاوا = آباد ہوا، چھایا

یہ پدمنی بھبھیکن پاوا — جانہو آج اجو دھیا چھاوا

چھایہ = چھانہہ، سایہ

گڑھ تس بانک جیس تورکایا — پرکھ دیکھ اوہی کی چھایا

چھ رُت = بہ ہیں۔

بسنت رت (چیت بیساکھ) گرکھیم رت (جیٹھ، اساڑھ) پاوس رت (ساون بھادوں) سرورت (کنوار، کاتک) ششر رت (اگھن، پوس) ہیونت رت (ماگھ، پھاگن)

چھہو = چاروں۔ حرف (چ) چار کا قائم مقام ہے۔ چنانچہ چھپ دہ، چوبیں، چونتیں، چالیس وغیرہ میں بھی آیا ہے۔

چھوچھ، چھوچھا = خالی، پولا، بےوقوف کے معنی میں بھی آیا ہے

ستواجو اوتر دینھا پوچھا   اوڈگا پنچھی نہ بولے چھوچھا

چھور، چھول = کھول

راجا بھان نسیچو من ماناں   باندھارتن چھورکے آناں

چھوڑدی = ڈال دیا، چھوڑدیا

سمکھ کے سوین چھوڑدی پاتی   جانہ دب چھوٹ تس تاتی

چھوہ چھوہو (بہ واو مجہول) مہربانی، عفو

کوہ چھوہ دونوں توہ پا یہاں   مارس دصوبے جیا دس چھپانہاں

چیت = ہوش، محانہ، نگاہ

اوہاں آدتو سون کنک کھڈ ادو   ایہاں تو چیت تمھار منگا رد

چیٹک = جادو کا کھیل

راگھو کالھ وشٹ بند کھیلا   سبھا ماتہہ چیٹک اس میلا

چھیجا = نقصان، کمی، گھاٹا

چھیجن = نقصان، نقصان ہونا، وہ چیز جو ضایع ہو

راتنہ ددس رہی سب بیجا   لابھ نہ دیکھ نہ دیکھی بیچھیا

چیر (بہ یائے معروف) لباس مہمو لگا ساری

مکڑی کا تار تاہ کہ چیرو   سو پہریں جرجائے سر پید

لیکن دوپٹہ کے معنی میں بھی آیا ہے

لہریں دیت بیٹھ تبن چیرڈھا   چیر اڑیھا وا ایپا کیچلی مڑھا

چیری = چیلی (بہ یائے مجہول) شاگرد عورت، ملازمہ

تو ہیں موہر گرو تو رہوں چیلی   بھولی پھرت ہاتھ جین ہیلی

چیلہ = چیل کہا گیا ہے:

" چیلیں کا ہا ہے مخفی کے ساتھ تلفظ۔ دکنی اردو کی طرح نواحِ دہلی کی بولیوں کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اکثر جگہ 'ہ' کا اضافہ کر دیا جاتا ہے" (قصہ مہر افروز ص ۱۴)

" پنجابی میں افعال کے آخر میں عام طور سے لہجہ کو بلند بنانے کے لیے 'ہ' کا بلا ضرورت بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے"
(مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۳۳)

لیکن ڈاکٹر شوکت سبزواری فرماتے ہیں:

" پنجابی 'ہ' کا تلفظ نہیں کر سکتی وہ تنہا 'ہ' اور مخلوط 'ہ' کا حروف کے ہائیہ عنصر کو ایک خاص لہجہ کے ساتھ ہمزہ سے بدل لیتی ہے" (داستان زبان اردو ص ۶۹)

صحیح یہ ہے کہ لفظِ صحیح کے آخر میں 'ہ' کا اضافہ کرنا اودھی میں عام ہے اور اس سے تخصیص یا تعیین مطلوب ہوتی ہے۔ اس کو انگریزی کے 'THE' کا بدل کہا جا سکتا ہے۔ مزید دیکھو " ہ "

کہہ چیلیھنہ لی موکنہ کھا ہو   مانس نہ کیا جو رہو جی کا ہو

چینھ = پہچان،

ہاتھ پسار دھارے کے بھیٹی — چینھی نہیں راجا کی بیٹی

چینھار (چینھ + ہار) = نشانی، علامت، مجازاً یادگار۔
اسی معنی میں "چینھا" بھی آیا ہے۔

(د)

داڈھ، داڈھا = جلن، گرمی، گرم کیا

پیم جو داڈھا وھن وہ جیو
دوہ جا ہی منتھ کا ڈھی گھیو

دادر = مینڈک

کچھ کچھ دادر توہ آسان
بگ اور پنکچھ توہ پاسان

داس = غلام، نوکر، خدمت گار

داسی = باندی، لونڈی

سیو کرتہہ داسی جیہو پاسان
اچھریں جان اندر کیلا سان

داکھ = انگور، مشہور میوہ

اٹھی کونپ جیوں ڈاریں داکھا
بھئی انہنت پریم کی ساکھا

دامن، دامنی = بجلی

دامن چمک نہ سربر پوجا
پن وہ جوت ہوئے کو دوجا

دان = دینا، بخشش، انعام اور مجازاً ایثار بھی

ترت جو دان پان ہنس دیجے
تھوڑا دان بہت پن کیجے

داہ = جلن، آگ

برہ گاج ہنو نت ہوی جاگا — لنکا داہ کرے تن لاگا

داہیج = جہیز

رتن سین جو داہیج پاوا — گندھرپ سین آے گنٹھ لادا

دَت = سخاوت، بخشش، خیرات

دت ست یے دونوں بھای — دت نہ رہے ست پن جای

دَدھ (دَدِھی) = دہی اور سمندر کے معنی میں بھی آیا ہے۔

دَدھ ایک بوند جام سب کھیر — کانجی بوند بنس ہوی نیر

دَرَب = مال ومتاع، خزانہ

ادلتہ مانک موتی ہیرا — درب دیکھ من ہوے نہ دھیرا

دَرپَن = آئینہ، شیشہ،

برنگ درپن بھانت بسیکھا — جنہ جس روپ سوتیسنہ دیکھا

دُرجن = خراب آدمی، مجازاً دشمن بھی

دیوتنہ چلے آے اس آنٹی — سرجن کنچن دُرجن مانٹی

دَرس = درشن، ملاقات، دیدار

ہلسے نین درس مدھ ماتی — ہلسے آدھر رنگ رس رانی

دس، دسا (دشا) = سمت

آنونہہ چھیوں دس پانہہ پاتیں — گون سہائیں بھانتہ بھانتیں

دس، دیس = ملک

سنگھل نگر دیکھ من لبا — دھن راجا اس جا کر دسا

دسن = دانت

دسن دامنی کو کل سبھا کیں بھویں دھنگ گنگن بے راکھیں

دِشٹ = نگاہ

دیکھ درب راجا گرباناں دشٹ ماہنہ کوہی اور نہ آناں

دِنکر = دن کرنے والا، سورج

دگدھ = جلن، سوز

یہ دکھ دگدھ نجانے کنتو جوبن جرم کرے بھسمنتو

دُوت = ہرکارہ، قاصد

دوتہنہ کہا آے جہنہ راجا چڑھا ترک آوے دل ساجا

دوج، دوتیج = ہلال، دوسرا

تہنہ للاٹ پر تلک جو بیٹھا دوتیج پاس جانہ دُھو دیٹھا

دوجا = دوسرا۔لکھا گیا ہے کہ:

"دوجے = دوسرے، اُردو میں بہت کم مستعمل ہے، گیت وغیرہ

اور پنجابی زبان میں البتہ ملتا ہے" دکریل کتھا ص ۱۰۱)

دوج، تیج اُردو میں نایاب نہیں ہیں ' دوج کا چاند' مشہور ہے اور

'تیجا' اصطلاح کے طور پر مستعمل ہے بمعنی " فاتحہ، روزسوم بعد وفات"

(سرمایہ زبان اُردو ص ۲۸۱) اِس لفظ کے پنجابی ہونے کے لیے کوئی سند

نہیں دی گیی۔

دامن چمک نہ سربر پوجا پن وہ جوت ہوے کو دوجا

دودھ (دُگدھ) = مشہور یا معروف

کاٹی پنچھے میں دودھ دھوی | اوکھار چھینہ یار نچوری

دُوو (دواو) = دونوں " ایکٹ کہانی " کے مرتبین نے بغیر کسی سند

کے اسے " برج بھاشا " کہا ہے (حاشیہ ص ۴۴)

پاپے دیہہ دوؤ نینن لانوں | پے چل تہاں کنت جہ ٹھانوں

اِس کی اصل " دوہو " یا دوہوں ہے (" ہو " بجائے ' بھی ' علامت تخصیص

و تاکید ہے)

دَیا سنو کاج دوہوں جگ آ دا | اِہاں جو دیا اُہاں سب پادا

دھانک = کماندار

اوہی دھنک میں تا پنہہ چنہا | دھانک آپ بیدھ جگ کینہا

دھاے = دائی، دایہ

دھاے سوالے مارے گیی | سمجھ گیان ہے مت بھئی

دھاوا = قصد کیا، دوڑا۔ حملہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے

آگ دیکھ وہ آگیں دھاوا | پان دیکھ وہ سونہ دھناوا

دہ دہ = دھر دھر، پکڑ پکڑ

مندر سوں پی انتہ لبا | سیج ناگ بھئی دہ دہ ڈسا

دھر، دھرا = پکڑا

چارا میں دھرا جس ماچھو | جل ہت ایکت نکس ہو کاچھو

دَھرۃ پروفیسر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں۔

"دھر، یا دھیر" زفرہنگ۔ قطب مشتری) بمعنی سمت اور طرف کے استعمال ہوتا ہے۔ میرٹھ کے نواح کی بولی میں 'دھورے' اب تک سمت کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ دیکھیے میرٹھ کی زبان کا نمونہ: گریرسن' جلد نہم"

(مقدمہ تاریخ زبان اُردو ص ۲۶۰)

گریرسن کا زمانہ "اب" سے کافی پہلے کا ہے۔ بیسویں صدی کے عشرہ ہشتم میں اُس کے زمانہ کی زبان کو "اب تک" کی زبان کہنا صحیح نہیں ہے۔ مثنوی "قطب مشتری" جس کا مصنف ملا وجہی تھا نہ تو میرٹھ میں لکھی گئی اور نہ گریرسن کے زمانے سے اُسے کچھ تعلق ہے، اس کی زبان دکنی ہے اور اور گریرسن کے مقابلہ میں بہت قدیم کسی لفظ کو میرٹھ سے متعلق ثابت کرنے کے لیے وہیں کی زبان سے سند پیش کرنی چاہیے تھی۔

'دھورے' بمعنی سمت نہیں ہے۔ یہ لفظ قریب، نزدیک اور پاس کے معنی میں آتا ہے۔ اس کا تعلق 'دھر' سے نہیں ہے۔ دھورے کا تعلق شاید 'دھوراہر' سے ہو، بمعنی بلند مکان

لفظ 'دھر' مختلف اسمائے اشارہ کے ساتھ لاحقے کے طور پر آتا ہے اور یہ دلالت کرتا ہے مکان پر چنانچہ اودھر (او = وہ = اُس) ادھر (ای = یہ) وغیرہ

لیل ہمنا، چھو دھر جگب جانیں ہانسل کھتو رگیاد کھا نیں

دَھرت، دَھرتی = زمین۔ "دَھر" اِس کے مخفف کی حیثیت سے بھی آتا ہے اور اِس صورت میں مجازاً پہاڑ کے معنی بھی لیے جاتے ہیں۔

توین جل اوپر دھرتی راکھی جگت بھارے بھار نہ تھاکی

دَھمار، دھمال = "چانچر اور دھمار نام گیتوں کا ہے۔ موسم ہولی میں اُن گیتوں پر اکثر راگ راگنیاں گائی جاتی ہیں" (پدماوت ص ۱۸۲)

نول بسنت دے یار یں سیندر ربکا کرنہ دھماریں

دَھن (دھنیہ) = مبارک

دھن سلطان جہک سنسارا وہی گٹنگ اس جیرے اپارا

دَھن، دھنیا = عورت

دھن سو دیپ جہنہ دیپک باری ادسو پدمن دئی اوتاری

دَھن = دولت

دَھنپت = "دھن بمعنی دولت اور پت بمعنی صاحب" (پدماوت ص ۶)

دھنپت اُہی جہک سنسارو سبھے دئے نت گھٹ نہ بھنڈارو

دُھنک = کمان

بھونہیں دھنک ساندہ سر پھیرے نین کرنگ بھول جن ہیرے

دھوتی = لباس مشہور۔

مندر ا سردن جینو کاندھے کنک تپر دھوتی تر باندھے

دھور، دھول = خاک

بھیرین بھیس رہے بھاتیا — دھور لپیٹیا مانک چھپیا

دھوراہر = کوٹھا، محل

پدماوت دھوراہر چڑھی — دھو نہ ہنس رب جا کنہ سس گرھی

دھوری = چیل

دھوری پانڈ کر، کہہ پی ٹھانوں — جو چیترو کہہ نہ دو سرنانوں

دھول = نہ معلوم، نہ جانے، یا

پاٹاں پرے آئی توں یہی — الیس نجانہہ دھول کہاں آہی

دھوم = دھواں۔

یرہ بجاگ نیج کو ٹھیگا — دھوم سو اٹھی سیام بھئی مگیا

دوہیلا = سخت

کنت بیاہ دکھ دینہ دُہیلا — چتور نیتھ کنت بندھ میلا

دھیر، دھیرج = تسلّی

کی دھیرج راجا تب کو پا — انگد آئے پاورن ر دیا

دَیا = بخشش، سخاوت، مہربانی

دَیال، دَیالو = مہربان، بخشش کرنے والا

توین دیال سب کے اوپر اہیں — سیوا کیر آس تمہ نا ہیں

دیا، دیپ، دیپک = چراغ

دیپک جوت دیکھ اجیاری — آئی بجھ ہوی پرا بیکھاری

دِیرگھ (بہ یائے معروف) = دراز، لمبا، طویل

پرتھم کیس دیرگھ سرہو نہیں اودیرگھ اونگریں کرسو نہیں

دیا = دیکھا ۔ کہا گیا ہے ۔

"دیسنا بمعنی دکھائی دینا دکنی کا عام مستعمل فعل ہے، شمالی ہند کی قدیم اُردو میں بھی یہ بہ کثرت ملتا ہے۔"

(مقدمہ تاریخ زبان اُردو ص ۲۶۱)

اودھی میں 'س' کی آواز 'کھ' سے بدل جاتی ہے۔ چنانچہ یہ دیکھا کی قدیم تر صورت ہے۔

کنچن کوٹ جرے او سیسا نکھتھنہ بھر اگنگن جن دیسا

دِیوس = دن

ایک دیوس پونیوں تنہ آئے مان سروہ دیکھ چلی انھائے

دیہہ = جسم، تن

چندہ بدن اور چندر دیہا بھسم چڑھائے کینہ تن کیہا

دَئی = خدا

دھن سو دیپ جہنہ دیپک باری اوسو پدمن دئی اوتاری

ڈ

(د)

ڈار، ڈال = شاخ

کٹھر ڈار بیڈ سوں پا کے — ڈھر سوا نوپ اَت تا کے

ڈبھارا = خوب چلّایا، زور سے رویا، چنگھاڑا

جاے بہنگم سمند ڈبھارا — جبرے مچھ پانی سبھا کھارا

ڈولاون = ہلانا، ڈولانا

کوی لکھ سیتل نیر چھڑاونہہ — کوی آنچل سوں پون ڈولاونہہ

ڈیٹھ، ڈیٹھ (ڈشٹ، درشٹ) = نگاہ

ڈیٹھا (بہ یاے معروف) = دیکھا

روپ گرو کرچلیں ڈیٹھا — چیت سہاے ہوے چتر بیٹھا

(ر)

ر، را = اودھی میں "ہارا" اور "کیرا" کے مخففات ہیں۔ عام طور سے حرف اضافت "کا" کی جگہ آتے ہیں لیکن بعض اوقات "کو" علامتِ مفعول کے مقام پر بھی آئے ہیں۔ فارسی میں بھی "را" بمعنی "کو" آتا ہے۔

تہرے بھاوے اونچ سوٹھاوں — اونچی لیوں پر ہتیم ناوں
پہانہ سکھ ہنیہ جب جیو را — پُن ہووے کٹھن نیاہت اورا

رات (راتری) = شب بہ فتحۂ اول

الیس گیان من جان نہ کوی — کبھوں رات کبھوں دن ہوی

راتا، رانا = سُرخ

کنول چرن ات رات بسیکھی — رہیں پاٹ پر پھیم نہ دیکھی

راو، رانا، رایا = راجا۔ یہ ایک معنی کے سب لفظ ہیں بلکہ ایک ہی لفظ کی مختلف صورتیں ہیں "ج" کی آواز اردو میں قابلِ ترجیح ہے چنانچہ سوریہ، سورج میں آخر الذکر مروج ہے۔

سنتے ہئیں مان ال بھاو — یہ کی گھال گیا گھر راو

اور جھبجھ اُن کرتا نوں　　　دیکھا سب راتوں انیرانوں
جو پی جگت ہوت ٹھہرایا　　　سنیت سدھ پیا وت رایا

راہی، رانی = ملکہ۔ اُردو میں 'رانی' کو 'راجا' کی تانیث خیال کر کے اُسے عام طور سے "خلافِ قیاس" کہا گیا ہے (ملاحظہ ہو رسالہ گلکرسٹ ص ۱۲) لیکن یہ دراصل تانیث ہے 'رانا' کی

راہی آہی دھاے کے پاسا　　　ستّا بھوا کی سنیہرآسا
راکھا آن پاٹ سنوانی　　　برہ بیوگ نہ بیٹھے رانی

راوت = سردار

گورا بادل راجا پا تہاں　　　راوت دو، دو جن پا تہاں

رب = آفتاب

جانہہ رکت ہتھوریں بوڑیں　　　رب پربھات تات وے جوڑیں

رَجالَیس = راجا کا حکم، مرضی، ایما

دھن راجا تو نیں راج بیکھا　　　جہ کی رجالیس سب کچھ دیکھا

مجازاً جواب کے معنی میں بھی آیا ہے

ہنس کے راج رجالیں دینہاں　　　میں درسن کارن تپ کینہاں

رَتن پاٹ = لنہگا، عورتوں کا لباس

سولنہ رتن پاٹ کی جھونیا　　　ساج بدن دنہ کا گنہ کونیا

رُچ، روچ = "رُچ" خوشی کے معنوں میں 'سب رس' اور قطب مشتری میں اکثر آتا ہے۔ دہلی کا ایک محاورہ ہے۔ ایک گھر نچے تو

سب گھر رُچے" (مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۶۲)

نہ مذکورہ دونوں کتابوں کا تعلق دہلی سے ہے اور نہ محاورۂ مذکور کے دہلی کے ساتھ مخصوص ہونے کے لیے کوئی سند پیش کی گئی ہے اودھی کی قدیم ترین تصانیف میں یہ لفظ آیا ہے چنانچہ میاں سادھن کی "میناست" میں بھی ہے۔

گیت ناد چنچار چو تار — تنہیں روچے جن پاس پیار

یہ لفظ "پسند" خواہش اور مجازاً خوشی کے معنی میں مستعمل ہے

لہیں ساتھ گونے کر جا رو — چند ریدن رُچ کینہ سنگارو

رُچے، روچے = اچھا لگنا، پسند ہونا

کہہ چلھتہ لی مو کنہ کھاہو — مانس نہ کیا جو روچی کاہو

رس = مزا، ذائقہ

چکھ انجن دی کھنجن دکھاؤ — ہوئی سارس جوری رس پاؤ

رس = غصہ

سن پدماوت رس نہ سنبھاری — سکھنہ ساتھ آئی تہ باری

رسائی = غصہ میں بھری، غصہ کیے ہوئے

اوتر دہائے تپ دینہ رسائی — رس آینہ بدھا اور نہ کھائی

رسنا، رسناں = زبان۔ لگا کے معنی میں بھی آیا ہے

ہیرامن رسنا رس کھولا — دی اسیس اور استت بولا

رکت = خون

ننیھ رکت سُراہی ڈھارا　　جنہہ مرگ سرکاٹ پیارا

روپا = روپیہ - روپ بمعنی چہرہ، صورت اور چاندی۔ چنانچہ روپیہ وہ سکہ ہے جو چاندی کا ہوا اور جس پر کوئی تصویر بنی ہو

اگین سگن سگناں تا کا　　دیہی باجھ روپے کرنا کا

روتای = ٹھکرائی، سرداری، اصل اس کی "راوت" ہے بہ اضافہ "آئی"

دھن سو کھیل کھیلہ رس بیپال　　روتای اُنہہ کو سل کھیال

روس = ناراضی، غم، غصّہ،

جو پی پیہ جرت اس بھاوا　　جرت ہرت مہ روس نہ آوا

روسا = روٹھا، ناراض ہوا

کھولا آگے آن منجوسا　　ملا نکس بہ دن کا روسا

روون روون (روم روم) = روال روال

روون روون تاسوں روڈھا　　سوتہ سوت بید بید بیدھ سود ھا

رہا = تھا۔ جیسے "آیا رہا" یعنی آیا تھا

آہ جو ماری برہ کی آگ اُٹھی تہ ہاک　　ہنس جو رہا سریر مہ پانکھ جری تب بھاگ

رہس = ناچ، خوشی۔ راز کے معنی میں بھی آیا ہے

کاہو بین گہا کر کاہوں نادمرد نگ　　سب دن آنند بدھاوا رہس کود اک سنگ

رہسی = شادکام، خوش

اوڈ سانانچ نچنیاں مارا　　رہسی ترگ باج سے تارا

ریچھ (بہ یائے معروف) بھالو

دیہہ ریچھ کے ریچھ ڈرائے　　دیکھت دشٹ دھائے جن کھائے

ریکھ، ریکھا (بہ یائے مجہول) خط، سطر، لکیر

کنچن ریکھ کسوٹی کسی　　جن گھن منہ دامن پر کسی

رین = رات، شب

بن سیندراس جاتہ دیا　　اجیر نتھ رین منہ کیا

(س)

س = جب لفظِ صحیح سے پیشتر آتا ہے تو صفاتِ پسندیدہ کے معنی دیتا ہے جیسے سوہنس، سُرنگ

س، سا = جب اسمِ اشارہ، اسمِ استفہام یا اسمِ موصول کے بعد آئے تو مشابہت یا مناسبت کو ظاہر کرتا ہے جیسا اُس، ایس، ایسا وغیرہ میں ہے۔

جانے نہ کہ ہوب اس جھوں		کھوجیں کھوج نہ پاوب کھوں

سا = برابر کے معنی میں آتا ہے چنانچہ مجھ سا، تجھ سا میں ہے۔

سات = فارسی "ہفت" عدد مشہور ہے۔

ساج = ساز، سامان

چڑھے جو کوپ گنگن اپراہیں		تھورے ساج مرے پی ناہیں

ساڈھی = جو چیز چھوڑ دی گئی ہو، الگ کردی گئی ہو، دودھ کی ملائی اس لیے کہ گرم دودھ کے ٹھنڈا ہونے کے بعد یہ الگ ہو جاتی ہے

دہلی راج جنت من کا ڈھی		یہ جگ جیسیں دودھ کی ساڈھی

ساری، ساڑی = عورتوں کا لباس

سب رہ جا لہ این کی باریں — برن برن پھیریں سب ساریں

سال = چھید، چھیدنا، زخم

برہ سال پر سال نویلا — برہ کال پر کال دہیلا

ساکھ = ٹہنی، شاخ

ساکھ، ساکھا، ساکا = دھاک، شجاعت

سر جا جس ہمیر من تا کا — اور بنا ہی آپن ساکا

ساکھی = گواہی

دھرتی بان بیدھ کے راکھی — ساکھا ٹھاڑ دیے سب ساکھی

سانجھ = شام

گیہن مجور تیجو رجو ہارا — اٹھیں پکارے سانجھ سکارا

سانس = گھٹن، مشکل، اندیشہ، سانست

ڈیوہ سانسو بھا جیو کیرا — بھاگون کھنہ بدھ منڈپ گھیرا

سانس، سوانس = نفس، بہ فتحتین

روی گنوائی بارہ مانا — سہس سہس دکھ اک اک سانسا

سانکر = تنگ، دشوار گذار

تیس سہس کوس کی باٹا — اس سانکر چل سکے نہ چانٹا

سانونت = بہادر، سامنت

تمہ سانونت نہ سر بر کو و — تمہ ہنونت انگد سم دو و

ساہس = ہمت، طاقت

نیچیں چلا بھرم ڈر کھوے ساہس جہاں سدھ تہاں ہوے

سَبَد = آواز

چمک بیج برسے جل سوتال دادر مور سبد سٹھ لوتال

سَبھا = مجلس

جنہ سبھا دیوتن کر جوری پرسے وشٹ اندر اسن پوری

سَبھاپت = صدرِ مجلس

سب چوپار نہ چندن کھانبھا اوتنہ بیٹھ سبھاپت سابھا

سَپت = سات، ہفت

سَپت دیپ = سات جزیرے، مُراد ہفت اقلیم سے ہے

سپت دیپ کے برجو آتو نہ پھر پھر جاتن نہ اوتر پانو نہ

سَت = سچ

راجنہ کہا ست کہہ سووا بن ست کس جس سینبر بھووا

سَت = سات، ہفت

ست کھنڈ دھرتی بھئی کھٹ کھنڈا اوپر اسٹ بھئے برہمنڈا

سَتر = دشمن

مورے پی کا ستر لیو پالو سوکت پوج سنگھ سر کھالو

ستی، ستین = سے

راجا ستین کنور سب کہیں اس اس مچھ سمند مہ اہیں

سٹھ = بہت

ناسٹھ لانبی، ناسٹھ چھوٹی ناسٹھ پاتر ناسٹھ موٹی

سُجان = عقلمند، باشعور

پنکھ نہ کوی ہوے سجانوں جانے بھگت کہ جان اوڈانوں

سِجیوَن مور = سنجیون بوٹی ۔ "نام ایک بیخ کا ہے مشہور ہے کہ مردہ اس کو کھالے تو زندہ ہو جاے اور زندہ کھاے تو کبھی نہ مرے" (پدماوت ص ۲۲۴)

انبرت چھیرین بھرے اپوری اوتنہ لاگ سجیون موری

سَدا، سداں = ہمیشہ

چھاونہ یان جاتہہ اوپراہیں گرب کیر سر سداں تر اہنہیں

سُدھ = ہوش

تب سدھ پدماوت من بھئی سنوز بچھوہ مرجہ مرگئی

سَر = سا، برابر۔ فارسی میں بھی آتا ہے مثلاً "ہم سر"

سات دیپ برنے سب لوگو ایکو دیپ نہ وہ سر جوگو

سَر بَر = مقابل، برابر

نت نو رنگ سو نگم سوی پرتھم میں نہ سر بر کوی

سَرجا = شیر، سرداز علاؤالدین کے ایک پہلوان کا نام جو قاصد کی حیثیت سے رتن سین کے پاس گیا تھا۔ زمانۂ مابعد میں شیواجی کا بھی یہی لقب ہوا۔

سرجا سنیں کہا یہ بھیدو پلٹ جا ہو اب مانہو سیدو

سُرجن، سجن = بھلا آدمی، چالاک آدمی، مجازاً بمعنی دوست

دیوتنہ چلے آے اس آنٹی　　　سرجن کنجن دُرجن ہا نٹی

سرجن ہار، سرجنہارا = پیدا کرنے والا، خالقِ کائنات

اے گسائیں توں سرجنہارو　　　تویں سرجایہ سمند اپارو

سرچ = چبوترہ

سرچ چھاآگ جو لاے　　　مہادیو گورین سدھ پاے

سَر = سے

اُنھ بھیو دل سر کوی نہ جتیا　　　اچھرین چھپیں چھپیں گو بیتا

سُرگ = جنّت، بہشت

پاٹ تمھار دیوتنہ کی پیٹھی　　　سُرگ تپا رین دن وٹھی

سُرنگ = خوش رنگ

پہریں سرنگ چیر دھن جھینال　　　پرمل میدرہے تن بھیناں

سرن (شرنڑ) = پناہ

کہو جاے جو سانچ نہ ڈرناں　　　جہواں سرن نا نہہ تہنہ مرناں

سَرور = تالاب

سرورسنور ہنس چل آے　　　سارس کریں کھنجن دھاے

سَروَن = کان

بول سیو ات بوند جن پرئیں　　　سروَن سیپ کھ موتی بھرئیں

سری پھل = شریفہ

پیا تمھار کچ کنگ کچورا — جانہہ دووسری بھل جورا

سریر = جسم، بدن

ٹکڑی کا تار تاہ کہ چیرو — سو پہریں جرجاے سریرو

سریکھا = ہموار، برابر، عقلمند

لاگ پونریس ہیو نہ دیکھا — بھئی باور کہاں کنت سریکھا

حال اور خیریت کے معنی میں بھی آیا ہے

ہنس ہنس پوچھنہ سکھی سریکھیں — جانہہ کمنند چند مکھ دیکھیں

سس = چاند

سس سو کلنکی راہہہ پوجا — تو ین نہ کلنک نہ کوی سر دوجا

سکارا = صبح

گئیں مجور تجور جو ہارا — اُنھیں پکار اسانجھ سکارا

سکل = سارا، سب

او گھرہ جہاد یو کر بارو — پوجن جاے سکل سنسارو

سکبندھی = شجاع

وہ اس ہوں سکبندھی ناہیں — ہوں سو بھوج بکرم اپنا ہیں

سکوار = (سکمار) نازک

رانی تمہ ایسی سکوارا — باس پھول تن جیو تمہارا

سکیتا = تنگ، پژمردہ، مرجھایا ہوا

کنول سکیتا کمنند ن پھولی — چکئی بچھرا چک من بھولی

سگرا، سگرین = سب

پنجم بہ ہ پنچ سر ماری | رکت روی سگرین بن ڈھاری

سگھن = ملے ملے، بہت گھنے

سگھن ڈھانکہ بن جہہ دس بھولا | یہ دکھ ملا وہاں کر بھولا

سم = برابر، ایک جیسا

تمہ بسانوت نہ سر بر کدو | تمہ ہنونت انگد سم دوو

سمند = سمندر

سواتت بوند چاتک مکھ پری | سیپ سمند موتی بہ بھری

سمونجا = سالم، پورا

پھول سمونجا رہے جو پاوا | بیاکل ہوے نیند نہ آوا

سنپت = دولت

راہ چندر بھیم سنپت آئیں | چندر گہن تب لاگ بسجائیں

راحت اور عیش کے معنی میں بھی آیا ہے

محمد میت جو من بسے تہی ملا بدھ ان | سنپت بپت بر کھ کتہ کاہ لابھ ہان

سنچری = سمائے، چلے

ٹھانو نہ ٹھانوں تینہ گڈھ ٹاٹی | نیچ نہ رہا جو سنچری چانٹی

سندس = پیغام

پانی ٹیک نہ لاوں ہیریں | پرم سندس کہو ہوسے نیریں

سنسار = سین بمعنی فوج دانبوہ وسار بمعنی تمام عالم"

(ند باوت ص ۶)

دھنپت اُہی جھک سنسارو — سبھے دُئے نت گھوٹ نہ بھنڈارو

سَنکا = اندیشہ، خوف۔ "سَنگ" بھکنے کے معنی ہیں اِسی سے ہے

ارات سبھ کہیں اب لنکا — گربا بھری نن دھری نہ سنکا

سَنگ، سَنگھ = ساتھ

سکھی کمود سہس دس سنگاں — سبھی سگندھ چڑھائیں انگاں

سَنگرام = جنگ، لڑائی

جو سر سٹو نہ ہونہہ سنگراماں — کت بگساہوت سیت اَسیاماں

سِنگھ (سِنہ) = شیر، درندہ معروف

چوتھیں علی سنگھ برپارو — جنہ ڈرکانپے سرگ پتارو

سَنگھاتی = ساتھی

جہاں لوبھ تہاں پاپ سنگھاتی — سبیچ کے مرے ان کے تھاتی

سنورون = "اصل میں سُمرن یعنی سمرن کرون، نون غنہ مع الواو بدل میم سے ہے بقاعدۂ ہندی جیسے رنوا دررُوم بمعنی موے باریک وعلیٰ ہذا القیاس" (پدماوت ص ۶)

سنورون آد ایک کرتارو — جو جیو دینہ کینہ سنسارو

سو (بہ واو مجہول) دو

ابھیں سو آہ کنول کی کری — نہجوں کون بھنور کنہ دھری

سو، سوں (بہ واو معروف) = سے

پرتمیں کہیں ڈلاسوں سوا — بھا کیلاس بسر گا گوا

سون (بہ واو معروف) = سمت

ڈشٹرت سہاوہ وہی سوں لاگی — جنہ درسن کارن بیسرا گی

سون = سونا، زر

سون روپ بھل بھیو پسارا — دھول سری پنچھنہ نجھارا

سونار (سون ہار) = سونے والا، زرگر

کہاں سونار پاس جہ جاؤں — دے سہاگ کرے اک ٹھاؤں

سونا، سہاگا ملا

کنچن بہن سوا اتہ لونا — مانہ ملا سہاگہ سوناں

سوک، سک، سکر = زہرا

کرن پھول ناسک اتہ سوہا — سس مکھ آئے سوگ جن بوہا

سوک، سک، سکروار = روز جمعہ

اوت سکرہ پچھوں دس راہو — بیچے دکھن لنک دس واہو

سودھی = سیدھی

جولہ متھے نہ کوئی دہی جیو — سودھی انگ رہی نہ نکسے گھیو

سور = سورج، آفتاب

دھن سس سیرتی پیو سورو — نکھت سنگھار ہونہ سب چورو
سورہ کرن سنگار بناوا — نکھت بھرا سورج سس پاوا

سور = بہادر، سورما

ٹھاکر جہک سور بھا کوئی — کٹک سورپن آپہہ ہوئی

سولہ سنگھار = اس طرح مذکور ہیں۔

۱۔ اُبٹنا مل کے غسل کرنا۔ ۲۔ لباسِ فاخرہ پہننا۔ ۳۔ مانگ میں سیندور بھرنا ۴۔ موتی اور جواہر بھرنا۔ ۵۔ قشقہ لگانا۔ ۶۔ کانوں میں بالی اور کرن پھول پہننا۔ ۷۔ آنکھوں میں سرمہ لگانا۔ ۸۔ ناک میں نتھ پہننا ۹۔ پان کا لاکھا جمانا۔ ۱۰۔ دوپٹہ اوڑھنا۔ ۱۱۔ کرتی اور محرم پہننا۔ ۱۲۔ کمر میں کردھنی۔ ۱۳۔ کلائی میں چوڑی۔ ۱۴۔ پیروں میں پایل۔ ۱۵۔ انوٹ اور ۱۶۔ بچھیا پہننا۔

باره ابھرن سوره سنگار را   توه سوہے پی سمس میارا

سوہائے، سوہے = زیب دے، بھلا لگے

رت پاوس برسے پیو پاوا   ساون بھادوں دھک سہاوا

سہس = ہزار

سوره سہس گھوڑ، گھر سارا   ساوکرن بانکا تکھارا

سہرائیں، سہلائیں = سلائیں، آہستہ آہستہ کھجلائیں

کچ تینھیں تر وا سہرائیں   بھاجوگی کو وسنگ نہ لائیں

سیار = گیدڑ

کل کرپرکھ سنگھی جنہ کیرا   نہ تھرکیس سیار بسیرا

سیام، سام = کالا، اندھیرا

پاتی لکھی سنوارتمہ ناماں   رکت لکھے اکھر بھئے سیاماں

سیان، سیانا = ہوشیار

چوری سیان ہوے تو بانیچے   ہوی اپان بھس کے نانچے

یہ لفظ مجازاً "پری خواں یعنی پریوں کے سایہ کا علاج کرنے والا" کے مفہوم میں بھی آیا ہے۔

جا توت گنی گاڑ رو آے   او جھا بید سیان بولاے

لفظ "اوجھا" کے بارے میں ایک دلچسپ بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اعظم گڑھ کے علاقے میں مزدور کسی ضرورت سے جب اونچائی پر چڑھتے ہیں تو تین مرتبہ زور زور سے آواز لگاتے ہیں "اوجھا۔ اوجھا۔ اوجھا"۔ یہ آواز سُن کر پردہ نشین خواتین آڑ میں ہو جاتی ہیں تاکہ مزدوروں کی نظر اُن پر نہ پڑے۔

سی = سیتا، رام چندر جی کی بیوی

ایہیں بھانت شِشٹ بہ چھپرے   بہی بھیس راون سی ہرے

سیت، سیتا = سفید، سفیدی، ٹھنڈک، جاڑا

سوکس سیت جہاں مَن ناہیں   سوکس پنڈ نہہ چھنہہ پرچھا ناہیں

سیتل = ٹھنڈا

کوہی کمھ سیتل تیر چھاد نہہ   کوہی انچل سوں پون ڈولاد نہہ

سیتی = سے

ہوں ست بے نسر اینہ سیتی   سنگل دیپ راج گھر ہیتی

سیج = بستر، بچھونا

مندر سون، پی انتہ بسا   سیج ناگ بھئے دہ دہ ڈسا

سیڑھی، سیڑھی = زینہ
کھنڈ کھنڈ باجی بالگ پیڑھیں   جاتہو اندر لوگ کی سیڑھیں

سیس، سِس = سر
پاتی لیتھے سیس چڑھاوا   دشٹ چکور چاند جس پاوا

سیسا = شیشہ
کنچن کوٹ جڑاو سیسا   نکھتھنہ بھرا گگن جنو لیسا

سیسی = شیشی
برنوں گیون گونج کی ریسی   کنچن تار جن لاگیو سیسی

سیں = سے
جن جانہ تمہ سیں ہوں دوری   نینہ مانجھ گڑھی ہے سوری

سین = خود، اپنا
کی ہم لادہ آپن ساتھاں   کی اب مار چلیہہ سین ہاتھاں

سین، سینا، سیناں = فوج
برن برن اوپانتہہ پانتی   چلے سو سیناں بھانتہہ بھانتی

سیندھ = نقب
جوگی گڑھ جو سیندھ دے آونہہ   بولہ سبد ستہ جس پاونہہ

سیو = " بروزن ریو یعنی زمستان " (پدماوت ص ۳)
جہاں دھن پرکھ سیو نہ لاگا   جانہہ کاگ دیکھ سر بھاگا

سیو، سیوا = خدمت۔ پروفیسر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں۔

"سیونا بمعنی پرورش کرنا، خدمت کرنا۔ دکنی میں مستعمل ہے۔
دہلی کا محاورہ ہے۔ انڈے سیربوے فاختہ کوّے میوے
کھائیں۔" (مقدمہ تاریخ زبان اُردو ص ۲۶۱)

یہاں بھی حسب معمول اس محاورہ کے "دہلی کا" ہونے کے لیے
سند پیش نہیں کی گئی اور نہ یہ بتایا گیا کہ دکنی میں کب سے مستعمل ہے

راجا سیو کرے کر جوڑیں　　　　آج ساہ گھر آوا مورے یا

سیوک: خدمت گار، خدمت کرنے والا

سیوکائی: خدمت گاری، خدمت کرنا

اے تمہ سنگلدیپ گسائیں　　　　ہم سیوک آئیں سیوکائیں

(ک)

کُ (بہ ضمہ معروف) = کسی خراب صفت کے اظہار کے لیے لفظ صحیح سے پہلے لاتے ہیں جیسے کوجات (بدذات)

پنکھ نہ را کھے ہوے کو بھاگی — پے تہاں مار جہاں نہ ساکھی

کَ (بالتسکین) کسرہ = آخرِ لفظ میں جب آتا ہے تو اکثر اسم فاعل کے معنی دیتا ہے جیسے، سیوک، نیٹھک، دن کر

جگ جل بوڑ جہاں لگ تاکی — مورنا و کھیوک بن تھاکی

سہس بھاو پھولی بن بیتی — مدھ کر پھری سنبور مالتی

اکثر حرف اضافت "کا" اور علامت مفعول "کو" کے مقام پر بھی آتا ہے مثلاً جہک یعنی جس کا۔ اس کی تفصیل اپنے موقعے پر آے گی۔

کَ = اک اور ایک کا مخفف ہے اور اکثر معدود کے آخر میں آ کر اُس کے ساتھ ضم ہو جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تھوڑے اور بہ مقدار میں کم کے معنی بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بہتک = بہت + ایک، اتنک = اتنا + ایک

اتنک دوس برج سو رہٹا — جو ہو آپن کہے سو جھوٹھا

کا، کاں = حرفِ اضافت ہے لیکن کبھی کبھی علامتِ مفعول "کو" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مزید دیکھو "کیرا"

جہاں بار تہاں آوبراو کاں — کرے بیاہ دھرم سٹھ لو کاں

کاپڑ، کاپڑا = کپڑا

ہانٹھ پڑا کیں پھٹے پاپڑ — پھرے بوجھ دوت کے کاپڑ

کاج = کام

سوہن کہا سمجھ من راجا — کرب بہت کٹھن ہے کاجا

کاچھو = کچھوا

سستی تتا کے آگو پاچھو — جہاں جہاں مگر مچھ اور کاچھو

کاڈھا، کاڈھا = مرتبین "کربل کتھا" نے لکھا ہے

" کاڑھنا — پنجابی — نکالنا، پھیلانا، ڈھانکنا "

(ص ۱۲۶، ۱۶۸)

اور پروفیسر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں

" آج بھی دہلی اور اس کے مضافات میں رائج ہے "

(مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۶۲)

یہ دونوں اطلاعات مفید ہیں لیکن اِس لفظ کا استعمال سب سے پہلے کس بولی میں ہوا اس بات کے تعین میں اِن سے مدد نہیں ملتی

جن ہے کاڈ پیوا ٹھاڈا — تہ تیں اوھک بجا گسین باڈھا

کارن = سبب، خاطر

ترن بیس توہ چھاج نہ جو گو　　کینہ کارن اس لینہ بیو گو

کاگ = کوّا، مشہور پرندہ

جہاں وھن پرکھ سیو نہ لاگا　　جاتہہ کاگ دیکھ سر بھاگا

کاگد = کاغذ۔ یہ لفظ اسی تلفظ کے ساتھ بعد میں دکنی میں بھی رائج ہوا
اور دہلی کی بڑی بوڑھیاں اب بھی بولتی ہیں۔

کاگد پتر جیس مسر یراں　　پون اُڑاے پری منجھ نیراں

کال = وقت، مجازاً بمعنی موت

سبھن کہا سمجھنہ راچا　　کال ہتیں کو وجھو جھ نہ چھاجا

کام = خواہش

اُدھاکے کام دگدھی سو کاماں　　ہر لے سوا گیو پیونا ماں

کاں = کو، کے واسطے، کے لیے

جو دکھ سہے ہوی سکھ اوکاں　　دکھ بن سکھ نہ جاے سیو لوکاں

کانپ، کنپ = بعض جگہ "کمپا" بھی لکھا ہے

پوس جاڑ تھر تھر جی کانپا　　سرج جڈ اے لنکا دس تاپا

کاتھر، کنتھا = گودڑی۔ خرقہ

کنتھا پہر ڈنڈ کر گہا　　سدھ ہوے کنہ گورکھ کہا

کانور، کانورو = "ایک مقام مشہور ہے جہاں کی عورتیں فن جادو میں
طاق ہیں اور اجنبی مردوں کو بہ زور جادو بھیڑ ا بکرا بنا کر مدت العمر

پھانس کر رکھ سکتی ہیں"۔ (پدماوت ص ۲۶۱)

میر شیر علی افسوس نے اس کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے۔

"کام روپ ہے، اسی کو کاتورھی کہتے ہیں۔ عورتیں وہاں کی نہایت شکیل، فن جادوگری میں بے عدیل ..... زمانہ سابق میں وہاں عمل کوچ بہار کے راجاوں کا تھا، لباس وہاں کے مرد و زن کا فقط ایک لنگی اور لہجہ گفتگو کا کوچ بہار کے باشندوں سے ملتا ہوا قریب اُس کے ولایت آشام (= آسام ہے)

(آرائش محفل، شایع کردہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۴۵ء ص ۵۷ تا ۱۵۸)

توں کانو رو برابس لوناں — بھولا جوگ چھراتہ ٹوناں

کاہو = کسی کو، کسی کا، کوی

کاہو ہاتھ چندن کی کھوری — کوی سیندر کوی گہے سندھوری

کایا، کیا = جسم، بدن

کہہ چیلنہ ہے مو کنہ کھاہو — مانس نہ کیا جو روچی کا ہو

کب = شاعر، شاعری

ایک نین کب محمد گنیں — سوی بموہا جیں کب سیں

کپور = کافور

پہلنہ بھات پرو سی آناں — جنہ سباس کپور بساناں

کپول، کپولا (بہ واو مجہول) = رخسار، گال

مسن سندگار کا جرسب لوالا — مسک بوندتن سوہ کپولاں

کِت = کہاں اور کس سمت کے معنی میں بھی آیا ہے

کت کھلار ہارے تنہ پاسا ہاتھ جھار ہو چلیے ترا سا

بعض اوقات کب، کس وقت کے معنی میں بھی نظم ہوا ہے۔

جہین نہ ہاٹ تنہ لینیہ با ہا تا کنہ آن ہاٹ کت لا ہا

کِت، کیت = کتنا، کِتّا

کیتو دھاے مرے کوی پاٹا سوی پاو جو لکھا للاٹا ں

کتہوں = کہیں

کتہوں کتھا کہے کچھ کوی کتہوں ناچ کود بھل ہوی

کتھا، کستھا = "کتھا کی اصل کستھا ہے اور کستھا بجائے قصّہ

بہ تبدیل لہجہ ہے، کثرتِ استعمال سے سین کہ صاد سے بدل

تھا محذوف ہوگیا۔ اور حرف کاف کو کہ بجائے قاف

کا سو رکے تھا فتحہ دیا" (پدماوت ص ۳)

کہ دکھ کستھان رین یہانی بھیو بھور جنہ پدمن رانی

برناں آے راج کی کتھا سنگل بھئیں سب نیگل ہتھا

کٹ = کمر

کٹ چھدرا ول ابھرن پورا پایں پہرے پایل چورا

کٹاچھ = ترچھی نگاہ، عشوہ، نظارہ

گن بان جانہ تل سوجھا ایک کٹاچھ لاکھ دوی جھوجھا

کٹک (کٹکئی) لشکر

جوگی آپ کٹک سب چیلا — کون دیپ کنہ چاہے کھیلا

کُٹوار = کوتوال

پھر نہ پانچ کٹوار سو بھنوری — کانپہ پاون چانپ وی پنوری

کٹھن = مشکل، سخت

پہلنہ پیم ہے کٹھن دو ہیلا — دو و جاگ تر ایپم جہ کھیلا

کٹھور = سخت، شقی کے معنی میں بھی آتا ہے

سوا سوناک کٹھور نیواری — وہ کونول تل بیپ سنواری

کجلی = سیاہی، کاجل

کجلی بن = "ہاتھی کے جنگل کو کہتے ہیں، باعتبار اس کے کہ ہاتھی بھی سیاہ ہوتا ہے اور کاجل بھی سیاہ ہوتا ہے"۔ (پدماوت ص ۱۲۵)

انھوں شست جو دیکھ پریوا — تجا راج کجلی بن سیوا

کُچ = بر (پستان)

کچ لینھیں ترو اسُبہرائیں — بھا جوگی کو سنگ نہ لائیں

کچور، کچورا = (بہ واو مجہول) = کٹور، کٹورا، پیالہ

نین کچور پیم مدبھرو — بھئی سو دشٹ جوگی سوں دھری

گر = ہاتھ، بازو، بمعنی فیل (یعنی) بازو را از خرطوم فیل مشابہت است" (منتخب الجواہر ۲۶)

تجا راج راجا بھا جوگی — او کنگری کر گہی بیو گی

گران = جھے

چودہ کراں چند پر گاسو — جنہ جرے سب دھرت اکاسو

کرپا = مہربانی

کرپا کرو تو کرو ہمیرا — تا نہت ہمنہ دیہو ہنس بیرا

کرپلو (کرپلت) = ہاتھ کا سرا، انگلی

کرپلو جو تھوڑ نہ سا تھاں — وے سب رکت بھرتے تنہ ہاتھاں

کرتا، کرتار (کرت ہار) = خدا

سنوروں آد ایک کرتارو — جہ جیو دینہ کینہ سنسارو

کرودھ = غصّہ

تمہ باری پیو بھو جگ رجا — گرب کرودھ وہی پے چھاجا

کریل = "رحیل کے وزن پر ایک درخت خار دار صحرائی ہے اور کانٹا اس کا نمدار ہوتا ہے جس کپڑے میں وہ کانٹا لگ جاتا ہے بہ تکلف نکلتا ہے اس کے پھل کا نام ٹینٹ ہے اکثر ہندو اچار اس کا تیل میں بناتے ہیں۔"

(مہ یادت ص ۱۱۴۳)

کہاں سو ورسن برس جنہ لہا — جو سو بسنت کریلہ کہا

کسل، کوسر (کوشل) = خیریت

راجین کہا کینہ میں ہیماں — جہاں ہیم کہاں کو سر کھیماں

کسنی = جس سے کسی چیز کو کسا جائے، محرم

ٹلسے کیج کسنی بند ٹوٹے — ملسے مھج بمیاں کر چھوٹے

کُکّر، کوکر = کُتّا

ہیا پھاڑ کوکر تنہ کیرا　　　سنگھی تجے سیا رکھ ہیرا

کَلَنک = الزام

تمہ جورا کے کسور مینگو　　　ین بچھوے سو لینہ کلنکو

داغ اور دھبہ کے معنی میں بھی آیا ہے

جو اجیار چاند ہوے اُوی　　　بدن کلنک ڈونب لے چھوی

کَلَپنا = رنج اٹھانا

نیند بھوکھ نس دن گیی دوو　　　ہئیں مانجھ جس کلپے کوا و

کِم = کیا، کس طرح، کیسا

یار نہ پاو جوگن ھک پیا　　　سو ہر تار کہہ کم جیا

کمان = دھنک، مجازاً توپ کے معنی میں آیا ہے

چلیں کمانیں جنہ مکھ گولا　　　اُنہہ چلیں دھرتی سب ڈولا

کموُد، کمودن = کنول کی ایک قسم

چیند ربدن رنگ کمدن گوری　　　چال سہاے ہنس کی جوری

کُمھار = مٹی کا کام کرنے والا، برتن بنانے والا

پھرت سمند جوجن لکھ تاکا　　　جیسیں پھرے کمھار کا چاکا

کِن، کِنہ = کس، کس طرح

درب لیے سو استھر راجا　　　جو جوگی تہ کے کِنہ کاجا

کَن، کَنہ، کنے = کو، کیلئے، کے واسطے

اب تمہ آسے انتر پٹ ساجا — درسن کینہ نہ تپا وہ راجا

قریب اور پاس کے معنی ہیں بھی آیا ہے

چھوں کھنڈ چھٹکے وہ آگی — دھرتی جرت گنگن کینہ لاگی

کنت = شوہر

لون بلون تہاں کو کہا — لونہیں سوی کنت جہ چہا

کنٹ = کانٹا

بیدھے بھنور کنٹ کیتکی — چاہنہہ بیدھ کینہ کنچکی

کنچ، کانچ = شیشہ

کنچک، کنچکی = چولی

کچ کنچک جانہ جگ ساری — آنچر دینہ سبھا و نہ ٹاری

کنچن = سونا

کانچ گرا تمہ کنچن کینہاں — تب بھا رتن جوت تمہ دینہاں

کنڈل = کان کا زیور، بالی، حلقہ

سردن سیپ دی دیپ سنواری — کنڈل کنک رچی اجیاری

کنک = سونا

کو = کون

مول تپا رسرگ وہ ساکھا — امر بیل کو پاو کو چاکھا

کو، کوا، کواں = کنواں

کا دیکھے تر دور کو ماہنہاں — پپیہیر تیرا او ستیل چھانہاں

بھانڈا آئے بن کھنڈ جھنہ کو آ — کہس مار ہیلیوں اب سوآ

کو و = کوہی = کوہد، کواد

مربھا کو و کتہوں لے جاو — وہ کے نیتھ کو و دھر کھاو

کوپ = کنواں

نینکھی نہ ڈولے اکیو نتیاں — پیا کوپ متھ کہی تب بتیاں

کوتک = تماشا

دیکھ ایک کوتک ہوں رہا — اہا انترہت پیے تہہ اہا

کوٹ (بہ واو مجہول) = قلعہ

ستر کوٹ جو پائے اگوٹی — میٹھی کھانڈ جیو آئے روٹی

کوٹ (کوٹی - بہ واو مجہول) = کروڑ

تینتیس کوٹ دیوتا ساجا — او چھپانو سے میگھ دل گاجا

کور (بہ واو مجہول) = کنارہ، سرا، گود، آغوش

آپ سیس لے بیٹھی کورا — پون ڈولاوے سکھ جیہوں اورا

کون = کونا، گوشہ

کونپ = کونپل

اٹھی کونپ جیو ڈاریوں داکھا — بھئے اننت پریم کی ساکھا

کونجی، **کنجی**، **کنج** = چابی

بنتی کرے جہاں ہے پونجی — سب بھنڈار کی موسو کونجی

گوندھا = بجلی کی چمک

من کنڈل چمکنہ ات لونین　　جن کوندھا لوکنہ دوی کونین

کونول = نرم، ملایم، سکمار، کومل

کونول کنٹل کیس نگ کاری　　لہرنہ نبری پھونگ پیاری

کوہ، کوہو (بہ واو مجہول) = قہر، غصّہ

کوہ چھپو دونوں توہ پاہاں　　ارس دھوپ بجاوس چھاہاں

کہا = کیا۔ "بکٹ کہانی" کے مرتبین نے بغیر کسی سند کے اس کو "برج" ا
ہے (ص ۲۸۳)، اصل اس کی "کاہا" ہے جس کے مخففات اس طرح
آتے ہیں۔ کہا، کہہ، کا، ک

کہں بنکھ کہا د کھ پاوا　　نمسر کہہ جو پرس کھاوا

کھانگ = کمی،

کھانگا = کمی ہوی

کہوسو پیرکاہ ین کھانگا　　سمندر سمیرا دتمہ ما نگا

کھال = خیال۔ مولانا محمد حسین آزاد نے محمد تقی میر کی زبان سے یہ انداز
نقل کیے ہیں:

"آپ بھو جب اپنی کتابوں سے کہیں گے کہ خیال کی "ی" کو ظاہر
کر دو پھر کہیں گے کہ "ی" تقطیع میں گرتی ہے۔ مگر یہاں ان
کے پاس جواب نہیں کہ محاورہ یہی ہے"

(آب حیات)

اِس محاورہ کی اصل یہ ہے کہ اودھی بھاکھا میں اکثر لفظوں میں آنے والی دی، کو تلفظ میں نہیں لاتے۔ اِس کی مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔

سمندا پار سرگ جن لاگا	ہیرگ نہ کھال گیے بیرا گا

کھنڈ، کھانڈ = کچی شکر

کھیر کھانڈ کچھ الپ اہارو | پان پھول سے بہت پیارو

کھنڈ، کھانڈ = ٹکڑا، طبقہ، حصہ

چھوں کھنڈ چھٹکے وہ آگی | دھرتی جرت گگن کنہ لاگی

کھانڈا، کھڑگ = تلوار

جات سوار اور کھانڈے سونا | اوبد بھونت سبہ گرگن پونا

کھکھنڈ = ”ارضِ ناہموار یعنی زمین پیڑ ہر کوہ کی“ (پدماوت ص)

کیتھس بھُم سمندا پارا | کیتھس میر کھکھنڈ پہارا

کہن = کہانی، روایت، حکایت

سورج چاند کی کتھا کہا | پیم کی کہن لاے جیو لہا

کھن = وقت، لمحہ، مجازاً ”فوراً“ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

کھن کھن = لحظہ بہ لحظہ

کھن کھن جوہ چیر سر کہا | کا ینت بیج دھول دس رہا

کھوج = نشان، پتا، تلاش

گھر گھر سنگل ہوی سکھ بھوجو | رہا نہ کتہوں دکھ کر کھوجو

کہوں = کہیں، مجازاً ”جگہ بھی“

بھا آنند سنگل سب کہوں   بھاگونت گنہ سکھ رت چھوں

کھیر (بہ یائے معروف) = دودھ۔ پروفیسر شیرانی فرماتے ہیں:

"ملتانی میں دودھ کے معنی میں آتا ہے۔ قدیم اساتذۂ دکن

بھی اِسی معنی میں لاتے ہیں" (پنجاب میں اُردو ص ۱۲۲)

اصل یہ ہے کہ اردو میں "ش" کی تبدیلی "چھ" کے ساتھ اور "چھ"

کی "کھ" کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ شیر سے سیر، پھر چھیر ہوا تلسی داس کہتے

ہیں ؎   ہوت پرات بٹ چھیر منگاوا

چٹا تکٹ نج سیس بناوا

یہ چھیر مزید تبدیل ہو کر کھیر ہوا۔ ملک محمد جائسی نے باوجود اِس کے

کہ وہ تلسی داس سے پہلے ہوئے اِسی جدید تر تلفظ کو نظم کیا ہے۔ اُردو میں

شیر اور کھیر دونوں مستعمل ہیں، شیر سے دودھ میں پکائی ہوئی سوئیاں،

اور کھیر سے فیرنی کی ایک قسم مراد ہے۔ (مزید دیکھیں ص ۱۹۸ اپر)

کھیر اہار کرے سکوارا   پان پھول کے رہے ادھارا

کھیر (بہ یائے مجہول) = شیر، سنگھ، درندہ معروف، اِس کی تبدیلی

بھی مذکورہ بالا طریقہ پر ہوئی ہے۔

جوبن پنچھی برہ بیادھو   کھیر بھیو کرنگن کھادھو

کھیم (بہ یائے مجہول) = خیریت، عافیت۔ دیکھو کُسل

کھین = چھوٹا، اصل اِس کی "کہہ" ہے

پیریت بیل کے آمر ہوی   دن دن بدھے کھین نہ ہوی

کہہ کے = کون، کس

کو کہہ پاس آس کے گوناں　　جو تراس ڈرے آسن موناں

کی = کیا، کہ

اتر بیٹھے دوی آن چھاڑے　　کی تمہ جوگی کی بنجارے

اور "یا" کے معنی میں بھی آیا ہے

جانہ آہ گوپی چند جوگی　　کی سوآہ سیمر تری بیوگی

کے = سا، یہ حرف مقدار ہے مثلاً بڑا کا معنی بڑا سا

اگنت وان تیو جھاور کیتا　　منگتن دان بہت کے دینھا

کے = کر کے

جگنا تھ چکر نہ کے آ ی　　پن سو دوار کا جائے اپنا ی

کیتک = (کے + تک = کیت + اک) کتنے

کیتکی = کیتکی مشہور پھول ہے۔

بھنورہ مینچ نیر جو آ و ا　　کنتیک باس بیے کنہ وسا وا

کیج = کرنا،

متین بیٹھ باول ادر گورا　　سو مت کیج پرے نہ بھورا

کیرا = یہ حرفِ اضافت ہے اس کے مخففات اس طرح ہیں۔

کیر، کرا، کر، کا، را، ک، ر

اور یہ سب اضافت کے مقام پر آتے ہیں اُردو میں 'بجز' 'کا' کے سب متروک ہیں۔

کتھا جو کہی آئے پی کیری
پا نو رہوں جرم بھر چیری

کیس، کیسا (بہ یائے مجہول) = بال

سرور تیر جو پدمن آئیں
کھونپا چھور کیس بکھرائیں

کیسے، کیسیں = کس طرح

سب دن رہہ کیرت مہ بھوگو
سو کیسیں سادھ تپ جوگو

کیل، کیلی = پیا، بھی، کنجی

بنتی کرے آئی ہوں ڈیلی
چیتور کے موسوں ہے کیلی

کینھاں، کینا = کیا — عام خیال ہے کہ "کیا" کا مصدر "کرنا" ہے یہ صحیح نہیں ہے "کرنا" کا ماضی "کرا" اور "کیا" کا مصدر "کیتا" ہے اسی طرح "لیا" کا مصدر "لینا" ہے

کنول سہائے سور سنگ لینہاں
راگھو چیتن آگیں کینہاں

کیہر، کیہری (بہ یائے مجہول) = چیتا، شیر اور گھوڑے کے لیے بھی آیا ہے۔

لنک بھم اس آہ نہ کاہو
کیہر کہیوں نہ وہ سرتا ہو

(گ)

گا: "گیا" کا مخفف ہے اور "گیا" فعل ماضی ہے "گیبن" یا "گون" سے۔ اسے عام طور سے "جانا" کا ماضی خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ "جانا" کا ماضی "جایا" ہے چنانچہ بعض صورتوں میں اِس کے استعمال کی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً:

اُس جگہ جایا چاہیئے — اور —

جایا جا سکے تو جاؤ — وغیرہ

لیکن "گیا" کے مصدر کی طرح "جانا" کا یہ ماضی بھی رائج نہیں ہو سکا۔ عام طور سے خیال ہے کہ "گا" صرف مستقبل کی علامت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مستقبل کے صیغوں میں اِس کا استعمال "گیا" کے مخفف ہی کی حیثیت سے ہوتا ہے مثلاً کہیں کہ "وہ جائے گا" تو اِس کے معنی یہ ہوئے کہ "جانے" کا عمل ہوا یا ہو گیا، زمانۂ آئندہ میں یا جانے کا عمل ہو گا (گیا کا مخفف ہے) زمانۂ آئندہ میں — اس کی مثال ذیل کے شعر میں دیکھیں

جس باورنہ بجھائیں بوجھا کون بھانت جائے گا سوجھا

یعنی جب "باور پوچھا ہے نہیں پوچھا تو کس طرح عاشق" جا کیگا سوجھا"۔ یہاں اس "گا" سے مستقبل کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

۔لیکن۔

"گا" ماضی کی بعض صورتوں میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً:

ماضی احتمالی میں جیسے "آیا ہو گا"

ماضی قریب میں جیسے "آیا ہے گا" (بجائے آیا ہے)

اور ماضی مطلق میں کم از کم تلفظ کی حد تک جیسے

جب ہنت کہہ گا پنکھ سندیسی　　　سینوں کہ آوا ہے پردیسی

اس میں "کہہ گا" = کہہ گیا، اسی طرح

داہن مرگ آے گا دھائیں　　　پرتھا بولا گھر بائیں

اس میں "آئے گیا" = آگیا اس کے علاوہ بعض لوگ کہتے ہیں: "آتا ہے گا" لیکن جدید اردو میں مستقبل کے علاوہ ماضی احتمالی میں "گا" کا استعمال ہوتا ہے، باقی صورتوں میں متروک ہے۔

گات، گاتا = بدن، پستان

اب لگ سکھی پون ہنت تاتا　　　آج لاگ موہ ستیل گاتا

گاج، گاجن = گرج، گرجنا، شور کرنا، ہجوم کرنا

بہنیاں وے ناہر گڑھی　　　جن گاجنہ چاہنہ سر چڑھی

گاجے = گِھر کے آئے

آونی آئے دوو دَل گاجے　　　ہندو ترک دوو سم باجے

گاڈر = چمگادڑ

پیو پیو لاگا کرے پپیہا — توہی توہی کے گادر کیہا

گاڑھ، گاڈھ = گاڑھا، گڑھا، گڈھا، گہرا، جس کی تھاہ نہ ہو، سخت، مشکل

دستگیر دے گاڑھ کے ساتھی — جہاں او گاہ دینہ تنہ ہاتھی

گبت = پوشیدہ، چھپا ہوا

برکٹ کہہ را پاسوں باتا — گیت پیم یدا وت را تا

گٹھ، گٹھا = گٹھڑ، گٹھری، بوجھ، انبار

اس پچ چرا بہ کر گٹھا — میگھ سیام جیسی دھوم جو اٹھا

گج = ہاتھی

سو تنکھار تیں گج پا دا — ڈنڈ بھئے اوچو گھری پادا

گجموت، گجمتا = گوہر کہ در پیشانی فیل باشند" (ہنس جواہر ص ۲۹) بڑا موتی۔

گڈھ، گڑھ = قلعہ

گڈھپتی = قلعہ دار

بنو کرنہ جیتو گڈھپتی — کا جیو کینہ کون مت متی

گر = پہاڑ جیسے نیلگری

بانس سہس سنگلی چلائے — گر پہاڑ نے سب ہالے

گرو، گُر = مرشد، اُستاد

راجین سو ست ہر دین باندھا　　　جنہ ست ٹیک گری گر کاندھا

گر، گرا = گلا، گردن

سُن نہیں نیہر کی گو ہی　　　گرے لاگ پد ما وت روی

گرب = غرور

بھولے ہمہ گرب تنہ ماتھاں　　　سو لیسرا پاوا جنہ پاتھاں

گرو، گروی = بھاری، گڑھو، گراں جو ہضم نہ ہو سکے

تاکر گہروی پریت اپارا　　　چڑھے ہئیں جن چڑھے پہاڑا

گن = رسی

گن سوں چلے سو بہت بوجھا　　　جہواں دھنک بان تہنہ سوجھا

گسائیں = مالک

اب تم سنگلدیپ گسائیں　　　ہم سیوک آئیں سیوہ کائیں

گن = خوبی

جات سورا اور کھانڈے سورا　　　اودھونت سبہہ کر گن پورا

گن، گنا، گونا = حصہ، جیسے دوگونا

ایک دیا ہیں دس گن لاہا　　　دیا دیکھ سب جاب مکھ چاہا

گنگ = گونگا

نین بدھر نہ موتی اور مونگا　　　جس گر کھائے رہا ہوئے گونگا

گنگ، گانگ = گنگا، دریائے مشہور، فارسی میں بھی اس دریا کا نام

"گنگ" ہی رائج ہے۔

تنہ پر پور دھرے جو موتی ‏ ‏ جمنا مانجھے گانگ کی سوتی

گنگن، گگن = آسمان

تو ین اس گنگن انتر کھ نہ اکھا ‏ ‏ جہاں نہ ٹیک نہ ٹھونی نہ کھا بتا

گنی، گنین = خوبی والا، صاحب علم

پن غنمان ڈھونڈ پنڈت گنیں ‏ ‏ لکھا پران آیت جو سنیں

گون (گمن) = چال، جانا

کیہر لنک گون گج ہرے ‏ ‏ سر نیر دیکھ مانہہ ٹھیں دھرے

گوناں = جانا۔

تنہ رے بیتھ ہم جا بہنہ گوناں ‏ ‏ ہوہ سیجوت بہر نہ اوناں

گوی، گوئیاں = سہیلی، ساتھی

سن نسچین نیہر کی گوہی ‏ ‏ گرہ لاگ پدماوت روہی

گھالا = گھلایا، برباد کیا، بگاڑا

ہیں جو کہا رس کرہ نہ بالا ‏ ‏ کو نہ کیوا نیہ رس گھر گھالا

پروفیسر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں :-

"دکنی کا عام مستعمل فعل ہے۔ اس کی شکل دہلی کے ایک محاورہ میں دیکھیے۔ ایک تو گھر گھالو آپنا دوسرے پاس پڑوس"۔

(مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۲۶۱)

لیکن دوسرے مقام پر موصوف اسی کو پنجابی بھی فرماتے ہیں :

"خود پنجابی میں 'نا' کے ساتھ ساتھ 'ن' بھی بطور علامت مصدر

ملتا ہے مثلاً گھالنا اور گھالن۔"   (ایضاً ص ۲۰۷)

اپنے دوسرے قول کے لیے موصوف نے گریرسن کی سند پیش کی ہے ظاہر ہے کہ یہ کافی نہیں ہے۔ قدیم تر مستند ماخذ کا حوالہ ضروری ہے یہ لفظ ڈالا کے معنی میں بھی آیا ہے۔

چاند کے ہاتھ دینہ جیسے مالا   چاند آن سورج گہین گھالا

گھام = دھوپ

راجہ ہے جب لگ سر گھاموں   ہم تم گھر کے کرنہہ بسراموں

گھایل = زخمی

کوی پر نہہ رہہ ہو سے راتی   کوی گھایل گھومہ مدماتی

گھٹ = گھٹا، کمی ہوی، گھاٹا ہوا

دھنپت اُہی جہک سنسارو   سبھے دئیے نت گھٹ نہ بھنڈارو

گھٹ = جسم، دل

جن ہوی سورج اہی من بسی   سب گھٹ پوہئیں پرگسی

گُھرائیں = بلائیں، للکاریں، شور مچائیں

بھریں کلس ترہنی چل آئیں   دھوکیں گوالن گھرائیں

گُھرسار = گھوڑسال، اصطبل

سورہ سہس گھوڑ گھرسارا   ساوکرن با نکا تکھارا

گھڑی = وقت، ساعت

گھڑیال = گھڑی

جو وہ گھڑی پوچھی وہ مارا گھڑی گھڑی گھڑیال پکارا

گھن = تاریک، تاریکی

پُنجن ریکھ کسوٹی کسی جن گھن منہ دامنِ پر کسی

گھنگھور = گھنا، بہت اندھیری

گھور (بہ واو معروف) = گھوڑا

رتن پدارتھ نگ جو بکھانی گھورن منہ وہ دیکھے جہرانی

گھونگھروال = گھونگر والا، پیچیدہ

گھونگھروال الکیں بکھ بھریں سگریں ہیم جیہنہ گیں بریں

گھیو = گھی۔ پروفیسر محمود خاں شیرانی فرماتے ہیں:

"گھیو پنجابی میں گھی کو کہتے ہیں، پرانی اُردو میں یہ لفظ بھی آیا ہے۔ میر جعفر زٹلی عہدِ عالمگیر و شاہ عالم کے مصنف ہیں۔ اُن کے ہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے ؎

ترسے گھیو کو سمجھاسے راکھے جیو کو
جیسا بیہا ہیو کو یہ توکری کا خط ہے"

(پنجاب میں اُردو ص ۱۳۱)

زٹلی بہت بعد کا شاعر ہے، قدیم تر سند کی ضرورت ہے۔ پھر اِس شعر میں پنجابیت کا کوئی اثر بھی نہیں ہے۔ اودھی کا قاعدہ ہے کہ ایسے دو حرفی اسماء کے آخر میں جن کا دوسرا حرف "ی" ہو "واو" کا اضافہ

کر دیتے ہیں۔ چنانچہ گھی سے "گھیو" جی سے جیو اور پی سے
پیو اسی قاعدے کے مطابق ہیں۔

کا بھا جوگ کہانی کتھیں — نکسے گھیو نہ بن دودھ متھیں

گگے = گری، گر گئی، لڑھک گیی

دوڑ پاے جوگن گے پڑی
اُٹھی آگ جوگن پن جری

گیان = عقل، علم

دھای سوّاے مارے گیی
سمجھ گیان ہئے مت بھئی

گیلی، گیل = 'ل' کے اضافہ کے ساتھ بھی ماضی آتا ہے لیکن اسے
"گنوارو" سمجھا گیا ہے۔

سرون چھید میں مندرا میلی
سبد اونانوں کہاں پیو گیلی

گین، گیون = گردن، گلا

چاند کے ہاتھ دینہ جے مالا
چاند آن سورج گین گھالا

گیون منجور کیر جس ٹھاڈے
کونڈیں بھیر کنڈیریں کاڈھے

گینڈ، گینڈا = ہاتھی کے معنی میں بھی آیا ہے

چال گینڈ گریب انت بھری
بسا لنک ناگیہ کری

گیبو = گین کا ماضی - گیا، بھی آیا ہے۔

کنت ہمار گیبو پردیساں
تہ کارن ہم جوگن بھیساں

(ل)

لاڈو = پیار، ناز، پیاری، لاڈلی

مان کرت رس مانیں چاڈو — مان نہ کر بھتوڑا کر لاڈو

لاکھ، لکھ = فارسی میں 'لک'۔ عدد مشہور ہے۔

سہس کیر نہ کو واو نا ے — لاکھ کرور نہ لبست لکاسے

لال = لالچ، اصل اس کی "لالسا" ہے

لال کہیں کت پاوس تپا — اب سوچا تد گنگن منہ چھپا

لاے = لگاے۔ پروفیسر شیرانی فرماتے ہیں۔

"لانا۔ لگانا، آج بھی پنجابی میں ملتا ہے اور دکنی میں بھی ہے۔" (پنجاب میں اُردو ص ۱۱۹)

لیکن قدیم تر سند کے بغیر اسے پنجابی نہیں مانا جاے گا

بھئی جگ چھانہہ رین ہوئی ے — تر ور سبھے ملیگر لاے

لُبدھا = فریفتہ ہوا، منڈلایا، عاشق

بھنور آے لبدھے چھتہ پاسا — جگ بیدھا تنہ انگ سباسا

لج، لاج = شرم

دیکھی کچھو نہ آگ نہ پانی ڈر لجیا تنہ دوو گنوانی

لچھمیں، لکھمیں = دولت

تاکنہ لچھ ہوے جبن بھینٹی لچھمی ماں سمندر کی بیٹی

لکھن = دیکھنا، چنانچہ "الکھ" یعنی جسے دیکھا نہ جا سکے، رام چندر جی کے بھای کا نام

لُکاے رہا = چھپ رہا۔ پوشیدہ ہو رہا۔

آوے کال ہیر پھر جاے کون سو کھنڈ اس رہی لُکاے

لگ، لگن = تک۔ واسطے، کے معنی میں بھی آیا ہے۔

راجا راے آے سب بیگی جہاں لگ کٹنب لوک اوبیگی

لگن = محبت، تعلق۔ اِس کا مادہ بھی "لگ" ہے اور اِسی سے لاگ لگاوٹ وغیرہ الفاظ بھی وجود پاتے ہیں۔ مجازاً "گھیرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

یہ سب رین رہی گڈھ لاگیں بھیکہ لیہ پھر مانگو آگیں

جب یہ فعل امدادی کی حیثیت سے آتا ہے تو کسی کام کے شروع کرنے کے معنی دیتا ہے

ونہ مورت کس ستی سبھاے آی گیت ہوی دیکھے لاگے

لگھ، لگھو = چھوٹا، کم۔ ہلکے اور نیچ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

سیہہ چار چھوں کھینے ہوی دیرگھ چار چار لگھ سوی

لَلاٹ = پیشانی، مجازاً بمعنی قسمت بھی آیا ہے" ہنس جواہر بھاکھا" میں اکثر "لَلاٹ" نظم ہوا ہے۔ بعض جگہ "للاڑ" بھی آیا ہے۔

کیتو دھاسے ھرپے کوی پاتا ں   سوی پاوے جو لکھا للا ٹاں

لَنک = کمر، لنکا کا مخفف بھی

لنک بھیم اس آہ نہ کا ہو   کیہر کیوں نہ وہ سرتا ہو

لوم، لَکھ
لوپا } روباہ، لومڑی

باہیں اکاسے دھوریں آئیں   لوپا درس آے دکھرائیں

لون = نمک، حسن۔ کہا گیا ہے:۔

"لون، پنجابی، نمک۔ لون لگانا، نمک چھڑکنا" (کربل کتھا ص ۱۸۲) لیکن کوئی سند پیش نہیں کی

لون بلون تہاں کو کہا   لونیں سوئی کنت جہ چہا

لونا، لونیں = اچھا، حسین، نمکین

چمک بیج برسے جل سوناں   دادر مور سبد سٹھے لوناں

لوناں = ایک چماری کا نام، جو جادوگری کے فن میں کامل سمجھی گئی ہے

جس کا نورو چماری لوناں   کون چھپر پاڈھت کے ٹوناں

لوہو = خون

تہنہ دکھ بھیٔ پیر اس نیاتی   لوہو بوڈ ڈھکی ہووے راتی

لَو، لَہ = تک

جولہ آپ ہرائے نہ کوئی　　　　تولہ ہیرت پاونہ سوئی

ئے = تک

کہہ کے اٹھا سمند منہہ آوا　　　　کاڈھ کٹار گیون لے لاوا

لیک = ریکھ، لکیر، سطر، خط

پن تہ ٹھانوں پری تر ریکھا　　　　گھونٹ جو پیک لیک تس دیکھا

لیکھا = حساب

دسوں دوار تال کا لیکھا　　　　الٹ درشٹ جو لاو سو دیکھا

لیل = نگل کر، کھا کر

چار ایل جو مانجھر بھاجی　　　　کہاں جائے جو جا کر کھاجی

لینھا، لینھاں = لیا، پایا، حاصل کیا

ان متی ہوں گرب تہ کینھاں　　　　کنت تمھار مرم ہوں لینھاں

(م)

م = عام طور سے متکلم کی علامت ہے اور یہی مختلف حروف کے اضافہ سے درجِ ذیل صورتوں میں بھی آتا ہے۔

مہ، مو، موں، میں

جانے نہ کہ ہو ب اس مہوں — کھوجین کھوج نہ پاوب کہوں
نکھمی لاگ بجھاوے جیو — نامُرھین ملیہ تو ریپو و

ما = اندر، بھیتر۔ اِس لفظ کی صورتیں یہ ہیں:

ماں، ماہاں، ماہاں، موں، میں

تہ ما پالنگ سیج سوداسی — کینھ بچھاون بھولنہ بھاسی

ما، مایا، مائی، ماں — ماد ر، والدہ

بنوی رتن سین کی مایا — ما تھی چھات پاٹ نت پایا

مایا، میا = مہربانی، محبت

یہ جھوٹی مایا من بھولا — چوری پانکھ جلیس رتن پھولا

مارگ = راستہ

مارگ کٹھن بہت دکھ بھئے　　لانگھ سمند ردیپ اُٹھ گئے

مان = شرم

مان کئیں جو پی نہ پانوں　　تجوں مان کر جو رمنانوں

اور "ناز" کے معنی میں بھی آیا ہے

مان نہ کر تھوڑا کر لاڈو　　مان کرت رس مانئیں چاڈو

مان، مانو، منو، مانہ، منہو، مانہو } گویا، خیال کرو، فرض کرو

نین بانک سرپوج نہ کو و　　مان سمند اس الٹھنہ دو و

مانہ بلن کھنڈ دوی بھئے　　دونہ بیچ لنک تار رہ گئے

مانت، ماتا = مست، محو

مانت نمنت سب گرجنہ باندھے　　نس دن رہنہ جہاوت کاندھے

مانجھ = مثل

کنول مانجھ جن کیہر ڈیٹھی　　جوبن ہت سو گنتو ای بیٹھی

مانجھ، منجھ = بیچ، درمیان

تنہ پر پور دھرے جو موتی　　جمنا مانجھ گانگ کی سوتی

مانچھر = مچھلی

چار ایل جو مانچھر بھاجی　　کہاںجانے جو جا کر کھاجی

مانس، ماس، مس = گوشت

کہس بنکھ کیا دکھ پاوا — نٹھر کہہ جو پرس کھاوا
اوجا نہیں تن ہوے یہ ناسو — پوکھنہ بانس پرا یے ماسو

مانگ، منگ = سر کی مانگ

چندن چیر پہر دھن انگا — سیندور دیتہ بہس بھر منگا
سیس سبن کے سیندر پوڑا — سیس پور سب مانگ سندوڑا

مت، متا = ماں والدہ

دیکھ توری منہ گھموری — متا تور آندھر بھئی روی

مت، متا = مشورہ

سب ہوے ایک متین جو سدھارے — بادشاہ کاں جاے جو ہارے

مت = سمت، عقل، دھیان

ہوکہہ تہہ جیتو گڑھ پتی — کا جیو کینہ کون مت متی

متا = حرفِ انکار ہے۔ پدماوت میں بہت کم آیا ہے اور جدید اردو میں متروک

کا تمہ ہوہہ گرب کی کرہ سمندر کھیل — مت انہہ یہ ہانسیں یہ ودہی اگو جل میل

متھانی = تلاطم

گڑھ گوالیار کمنہ پری متھانی — او کند ھار متھا ہوے پانی

مچھ، منچھ، مچھری = مچھلی

رتن سین سوں سن کے کہیں — اس اس مچھ سمندر مہا ہیں

مچھندر ناتھ = ایک درویش کا نام جو گرو گورکھ ناتھ کے چیلے تھے۔

پیشھس وھنس سوانس من مارا گرو مچھند رناتھ سنبھارا

مَدھ = شہد، شراب۔

سراسمند پن راجا آوا چھوا مدھ چھاتا دکھراوا

مَدھ کر = بھنورا

ٹوٹ پال سرور بہ لاگے کنول بوڑ مدھ کرا وڈ بھاگے

مُرجھانا = کملانا، پژمردہ ہونا۔ بیتاب ہونا

سن کے راجا مرجھای جانہ لہر سرج کی آی

مَرجیا = غوطہ خور

من بھیلا وہ کنول بسیری ہوے مرجیا تہ آدے ہیری

مُرچھ، مورچھ = غش

مرچھ پڑی پدماوت رانی کھن جیو کھن بیو ابیں نجانی

مِرگ = ہرن

سوی مرگ دکھاے جو گیو بہنی ناگ دیا جت بھیو

مَرَم = مطلب، مدعا، راز

آج مرم میں پاوا سوی جس پیار پیوا ور نہ کوی

مَڑھ = مکان، مڑھی، جھونپڑی۔

کا کی گھر کاکر مڑھ مایا تا کر سب جا کر جیو کا یا

مَس = کالا، سیاہ

بھاں کے سیواں جا کر کیو تہ مس کہاں کہاں تہ سیو

مَس = شاید

آوہ کرہ کدر مس ساجو — چرھنہ بجاے جہاں لہ راجو

مسیارا = مشعل

بارہ ابھرن سورہ سنگار — توہ سوہے پی سس میارا

مُکت، مُکتا = موتی

دمک رنگ بیئے ہاتھ مجیٹھی — مکتالیوں پہ گھنگھچی دیٹھی

مُکھ = منھ

وی دینہ پنکھ اس جوتی — نین رتن مکھ مانک موتی

مُکٹ = تاج

ماتھے مکٹ چتر سر ساجا — چڈھا بجاے اندر اسن راجا

مگ، مگھ = مگر، شاید

جوگی کیر کرہ پے کھو جو — مگ یہ ہوے نہ راجا بھوجو

مگھ یہ کھو، ج ہوے نس آئی — ترے روگ ہر ماتھے جائی

ملین = میلا، گندا، مکدر، اداس

تس ہیوں اہا ملینے کلا — ملا آے تمھ بھا نرملا

منجار = بلی

مبتجر منہ جو پہ لیوا گھیرا — آئے منجار کینہ تنہ پھیرا

منجھدھار = دھار کے بیچ میں، لہروں کے بھنور میں، بیچ دریا میں

جہاں سمند منجھ دھار بھنڈارو ۔۔۔ پھرے پان پاتار دوارو

مَنتی، منتری = مشیر

راج سبھا سب منتی بیٹھے ۔۔۔ دیکھ نہ جاے متد بھی دیٹھے

مَنجور، مجور، میور = مور، طاؤس

بزہ منجور ناگ وہ ناری ۔۔۔ توں منجار کرہیگی گیا ہری

گیین مجور تمچور جو ہارا ۔۔۔ انھیں پکارے سانجھ سکارا

مَنجوسا = پنجرا

اب گن کون جو بند جہاناں ۔۔۔ گہاں منجوسا پیچھین آناں

اور بمعنی صندوق بھی آیا ہے۔

چور پکار بیدھ گھر موسا ۔۔۔ کھولے راج بھنڈار منجوسا

مندر = گھر

دیکھت ساہ گینہ تنہ پھیرا ۔۔۔ جہاں مندر پدماوت کیرا

مُندر، مُندل = حلقے، بالے

مندر اسروان نہیں تھر جیو ۔۔۔ تن ترسول ادھاری پیو

منورا، جھومک = ”اس کو کہتے ہیں کہ ایام ہولی میں عورتیں ہنود کی ایک جا پر حلقہ باندھ کر گیت گاتی ہیں“۔

(پدماوت ص ۱۷۹)

چہی منورا جھومک ہوئی ۔۔۔ پھرا و پھول لیو سب کوئی

موت، مونت = موتی ۔ یہ لفظ مذکر ہیں، وجہ یہ ہے کہ

حرف 'ی' زاید ہے اور اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

نینۂ سیپ آنسوں نس بھرے ۔ ماتھہ موت گرہ تس ڈھرے

موں = موا، مرنا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ 'موا' ماضی ہے
موں یا موناسے اور مرنا یا مرن سے فعل ماضی 'مرا' آتا
ہے۔

کوکہہ پاس آس کی گونا ں ۔ جو نراس ڈرھ آسن موناں

یہ لفظ 'موں' گونگے اور خاموش کے معنی میں بھی آیا ہے۔

تمہ جو ڈولا وہ سوی ڈولا ۔ موں سوا نس جو دینہ تو بولا

مونڈ، مونڈھ = سر

مونڈن = سر صاف کرنا، حجامت بنانا

ناک کان کاٹے مس لای ۔ مونڈ مونڈ کے گدھے چڑھای

مہاآرنبھ = محشر

نیر ہوے ترا و پر سوی ۔ مہاآرنبھ سمند منہ ہوی

مہرای = سرداری

کنڈل سرون دیوں تنگ لای ۔ مہرا کی سونہیوں مہرای

مہری = معشوق، عورت

جوگ کاہ بھوگ سوں کاجو ۔ چنہیے نہ مہری چہے نہ راجو

میت، متر = دوست

چترا میت مین گھر آوا ۔ کوکل پیو پکارت پاوا

میچ، مینچ = موت، مرگ

یو نچھنہ بہت تہ بولا راجا　　لینھس جین میچ من ساجا

میر (بہ یائے مجہول) پہاڑ، مجازاً بادل بھی

راتی ستی اگن سب کا یا　　گھگن میر راتی تنہ چھایا

میلا (بہ یائے مجہول) ڈالا

گرو بیرہ چینگی پے میلا　　جو سلگاوے لیے سو چیلا

مَیمُنت = مست، ماتا، مجازاً مست ہاتھی

کنبھستل کچ دو میمنتا　　پیلوں سوتہہ سنبھارہ کنتا

مین = مچھلی

بولنہ سون ڈھینگ بگ لیدی　　رہے ابول مین جل بھیدی

منہین، مہیں
من، ہیں } = اندر، بھیتر

دیرگھ ادر بھم پت کیاری　　اتہہ مین ناتہہ بدمنی ناری

کہاں جگت من پیو پیارا　　جس سمیر بدھ گرد وستوارا

مُہرے (مو + ہرے) = مجھ کو

ہرے بھاوے ادرنچ سو ٹھاوں　　اونچی لیوں پرییتم ناوں

(ن)

ن = حرفِ انکاری ہے۔ اِس کی مختلف صورتیں اِس طرح آتی ہیں۔
نہ، نا، ناہ، ناتھہ، ناہیں، ناتھیں، نہیں۔

ن = کسی صفت سے پہلے آئے تو برعکس مفہوم کا سبب ہوتا ہے۔
جیسے نپھل یعنی جس کا کوئی پھل نہ ہو، بیکار
نانچینہ پانڈک ہور پیرلوا   نپھل نہ جائے کوئی سیوا

ن = حرف 'نے' کا مخفف ہے اور اکثر لفظ ماقبل کے آخر میں ضم ہو
جاتا ہے۔
راجین سوست ہر دین باندھا   جنہ ست ٹیک کری گر کاندھا

اِس موقع پر یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ 'راجین' کے
ساتھ 'ن' بطور علامتِ فاعل کے ہے لیکن 'ہردین' میں یہ حرف
'میں' یا 'اندر' کے معنی میں آیا ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ اودھی
میں حرفِ معنوی بنیادی طور پر 'ہے' آتا ہے اور اِس زبان کے
مطابق یہ 'ہے' تبدیل ہوکر "سے" "تے" - نے - سے 'میں' وغیرہ

کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ اِن میں سے ہر حرف زبان کی بالکل ابتدائی صورت میں ایک دوسرے کے مقام پر استعمال ہوتے رہے تھے اب بھی بعض بولیوں میں یہ صورت مل سکتی ہے مثلاً پنجابی لہجے میں اکثر سنا جاتا ہے کہ "میں نے جاتا ہے"۔ اِس میں 'نے' 'قایم مقام 'رہے' کا ہے اور 'رہے' بمعنی 'کو' آیا ہے یعنی 'مجھ کو جانا ہے' وغیرہ۔ مزید دیکھو 'ہ'

نابھ = ناف، ٹونڈی

سیام بھونکھن ردما ولی ۔۔۔ نابھے نکس کنول کنہ چلی

ناتھ = شوہر، رشی، مالک

پکھ نچھتر سر اوپر آوا ۔۔۔ ہوں بن ناتھ مند رکو چھاوا

نار، ناری = عورت

چل رہا جا آوا تہ باری ۔۔۔ جرت بجھائیں دونوں ناری

ناڑی = نبض

ہیرامن جو دیکھیس ناری ۔۔۔ پریت بیل اُپنے ہے باری

ناس، ناسو = برباد، نابود

او جانیں تن ہوے یہ ناسو ۔۔۔ پوکنہ انس پہ اے مانسو

ناسک = ناک

ناسک کھرگ دیوں کنہ جوگو ۔۔۔ کھرگ کہیں وہ بدن سنجوگو

ناگ = سانپ

بره سنجو اناگ وہ ناری ۔۔۔ توں منجار کرہ بیگ گہاری

نانگھت = طے کرتے ہوئے، پار کرتے ہوئے، پھلانگتے ہوئے

نانگھت ہنور گئے کھنڈ ساتا ۔ ستیں بُھم بچھاون رانتا

اِس لفظ کا تلفظ 'ل' سے، لانگھت بھی آیا ہے۔

مارگ کٹھن بہت دکھ بھئے ۔ لانگھ سمندر دیپ اُنھ گئے

ناہ، ناہہ = مالک، شوہر

جوگی ہوئے نسر اسو ناہوں ۔ تب ہت کہا سندیس نہ کاہوں

ناہت = ورنہ، نہیں تو

کرپا کرد تو کرو سمیرا ۔ ناہت ہمنہ دیہو ہنس بیرا

ناوے = جُھکاوے

سکل جگت تہ ناوے ماتھا ۔ سب کر جیبن تمھارے ہاتھا

نبیرہ = جدائی، نجات

آج ہمہہ سوں ہوی نبیرا ۔ آج بھم تج گنگن لبیرا

نت = ہمیشہ

ایس ہی رہو نت ہاتھا ۔ سیوا کرہ لائی بھئیں ماتھا

نب کوریں = نم کوڑی، نیم کا پھل

کا ہو کہی کیلا کی گھوریں ۔ کا ہو ہاتھ پری نبکوریں

نتنب = " نون مکسور، تا مفتوح، نون ساکن معہ باے موحدہ بمعنی سرین" (پدماوت)

برتوں نتنب لنک کی سوبھا ۔ اور گیج گون دیکھ سب لوبھا

نِٹھر = بیدرد، بے رحم

کت رے نِٹھر جیو بدھس پراوا ہتھیا کیر نہ تہ ڈر اوا

نِج = اپنا

ردر برنیہ شیو باچا توہی سو نج بات انت کہہ موہی

نِچووے = نچوڑے

کوی مکھ انبرت آن نچووے جن بکھ دیتہ ادھک دھن سدووے

نِچھتر = برسات کے موسم کو چند حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اس طرح

مرگرا ۔ پکھ ۔ آدرا ۔ پنر بس

مگھا ۔ پوربا ۔ اونرا ۔ چیت

ہتھیا ۔ چترا

چترا میت مین گھر آوا کوکل پیو پکارت پاوا

نرارا، نیارا = نرالا، جدا

جو جی منہ تو وہی پیارا تن منہ سوی نہ ہوے نرارا

نَچنیا = ناچنے والا

اڈ سا تاپ نچنیاں مارا رہی ترک باج گے تارا

نِردوکھ = بے قصور

کاہیں کینہ جو کایا پو کھی دوکھن موہ آپ نردوکھی

نِرمر، نِرمل = نرم، پاک، سرخرو

آج ہنو ر مکھ بھا نرمرا جو سلطان آے پگ دھرا

نِس = رات

چاوی چکوا کھیل کرانہیں — نس کے بچھرے دنہ مل جانہیں

نِسرا = نکلا

جوگی ہوے نسر آسورا جا — سوں نگر جانہو دھندباجا

نَسینی = زینہ، سیڑھی

بھیو ریچالیس گند ھرب سینی — کہا مینچ کہیں چڑھے نسینی

نکھت = تارا، ستارا

اور نکھت وہ کی چھنہ پاسا — سب راہین کی اہیں اڑاسا

نلج = جسے لاج نہ ہو، بے شرم

بمکس نہ ہارے نلج یہ جیو — دیکھوں مندر سوں بن پیو

نو، نوا = نیا

کو روں کہاں ٹھاٹ نو ساجا — تمہ بن کنت نہ چھاجن چھاجا

نوگرہی = ہاتھ کا زیور

تہ میں تیر گھاٹ جو پانوں — نوگرہی تو در پہرانوں

نَوَل = نیا، اول

نول بسنت سنواری کرے — ہوے پرگھٹ جانہہ رس بھرے

نَویلی = خوبصورت

پن بسنت رت آو نویلی — سو رس سو مدھ کرہ سو ہیلی

نویں = نیچے

انب جو پھر کے نویں تر آئیں　　تب ابرت بہا سب اوپر نہیں

نہارا = دیکھا

من مانتھین درسن اجیارا　　سو نہ نرکھ نہ جائے نہارا

نے = نیا

کو جے سو چھاوے مایا　　نو اوتار دئیے نے کایا

نیراوا = قریب آیا

یہ بدھ ہوت بیان سو آدا　　آے ساہ جیتور نیراوا

نیک (بہ یائے معروف) = اچھا

جہاں انکور تہاں نیک نہ راجو　　ٹھاکر کیر نبا منہ کاجو

نیگی = نوکر چاکر

جہاں لگ کٹنب لوک او نیگی　　راجا رائے آے سب بیگی

نین = آنکھ

نینہ رکت سُراہی ڈھارا　　جنہہ مرگ سر کاٹ بیپارا

نیوت = نیوتہ، بلاوا، دعوت

نگن دھرے اور چابیا ہو　　سنگل نیوت پھرے سب کا ہو

نیوج = نوج، خدا نہ کرے

نگر کوٹ گھر باہر سو ناں　　نیوج ہالدے گھر بر کھ ہو ناں

نیو چھاور = نثار

وہ کی بار جیو نر باروں　　　سر آتار نیو چھاورو ادل

نیہہ = محبت

پہلنہ سکھ نیہہ جب جورا　　　پن ہوسے کٹھن نباہت اورا

نیہر = باپ کا گھر

چھاڑیوں نیہر چلوں نچھوے　　　یہ ری دیوس ہوتنہ روے

(و)

و = ضمیر واحد غائب اور اسم اشارہ بعید ہے۔ اِس کی مختلف صورتیں اِس طرح آتی ہیں :۔ وا، او، وہ

تین سو رنگ صورت وہ کہی چیت منہ لاگ چیتر ہوی رہی

۔ہی، اُس، کے معنی میں بھی آیا ہے

وہ نیتھ جاے جو ہوے اوداسی جوگی جتی تپا سنیاسی

واروں = قربان کردوں

جٹا چھوڑ کے بار بہاروں جنہہ نیتھ او سیس تہ واروں

واہاں، وہہنہ = وہاں

کون روپ توری روپ منی دنہہ ہوں لون کہ وے پدمنی

وارا = **والا** = مشہور لاحقہ ہے۔ اِس کے مخففات اِس طرح ہیں۔

وار، ورا، ور، وا، و

وال، ولا، ول، ل

اور یہ مؤنث میں گھونگھروالا، ہنڈولا، سکوارا،

وغیرہ الفاظ ملتے ہیں۔ جن میں اِن لاحقوں کا استعمال ہوا ہے۔

وے = ضمیر جمع غایب، اکثر احتراماً واحد کے لیے بھی لاتے ہیں۔

سید محمد کے وے چیلا   بھئے سدھ جو تنہ سوں کھیلا

(ہ)

ہ = آخر لفظ میں تخصیص و تعیین کے معنی دیتا ہے۔ انگریزی کے لفظ "THE" کا بدل ہے۔

بجرہ تنکے مار اڑائی　　　تنہ بجر کی دی بڑائی

"بجر بروزن زجر بمعنی گراں و سنگین و ہندا سنگ یعنی پتھر کو بجر کہتے ہیں اور تن یکسر تا سے قرشت بمعنی 'پر' اور مصرع ثانی میں جو 'تنہ' میں حرف ہائے ہوز ہے یہ 'ہ' افادہ لفظ 'ہماں' کا کرتی ہے یعنی اُسی تنکے کو پتھر کی بزرگی بخشی"

(پداوستا ص ۷)

ھ = عموماً 'کو' کے معنی میں آتا ہے۔ واحد کے لیے 'ہے' اور جمع کی صورت میں 'ہیں' ہو جاتا ہے۔

باورتمہ جو بھکھے کنہ آئی

توہ نہ ہمجھ نیتیہ بھلائی

کہا جا چکا ہے کہ 'ہے' تبدیل ہو کر تے۔ سے۔ ہ۔ کے۔ نے وغیرہ ہو جاتا ہے اور ان سب حروف معنوی کے مقام پہ استعمال بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ کا، کے معنی میں

مجھے کچھ دادر توہ آساں

بگ اور پنکھ بنہ توہ پاساں

'بیں' یا اندر کے معنی میں:

کھوں للاٹ ودتیج کی جوتی

دذیجہ جوت کہاں جگ اوتی

'تک' کے مقام پہ:

اوس کے ادھر ایں بھر راکھے

اہیں اچھوت نہ کا ہو چاکھے

'ساتھ' کی جگہ پہ:

سنورہ ساتور، گورہ گوری

اپن اپن لینہ سو جوری

'سے' کے معنی ہیں:

راجین کہارے سرگ سندیسی　　　اتر آو مہِل پر دیسی

'نے' علامت فاعل کی جگہ:

بجا پرلو اس سب ہیں جاناں　　　کاڈھا کھڑگ سرگ نیراناں

کا = فعل امدادی بھی ہے اور مختلف صیغوں کے لیے آتا ہے چنانچہ حاضر کے لیے ہے

پنڈت ہُہہ تو سُنا وہ بیدُ　　　بن پوچھے پاے نہ بھیدو

غایب کے لیے:

جا سوں وہ ہیر ہیریں ہکھ ہاری　　　نین پان جن ہنہ گٹاریں

ناکوہی ہے وہ کے رد پا　　　تادہ اس کو ہی تیس انو پا

متکلم کے واسطے

سوا گم دیکھت ہوں جھلکی　　　آپن رہن نہ دیکھوں سکھی

کا = مختلف ضمایر کے معنی بھی دیتا ہے۔ چنانچہ غائب کے معنی ہیں

بچار نہ ہوے جیو جیہ جوا ودھا　　　ہٹو نہہ سہاے آے سب جودھا

حاضر کے معنی ہیں:

بھاگی رہتی ہوہ کر پھیرا　　　جاے سنوار مرن کی بیرا

اور متکلم کے واسطے بھی ہے۔

کارا جا ہوں برنوں تا سو　　　ستگ گندیپ آہ کیلا سو

مرتبین "بکٹ کہانی" نے بغیر کسی سند کے فرمایا ہے کہ:

"ہوئل ۔ برج = میں" (ص ۶۴)

ہا = تھا

تہاں ایک پربت ہا دھونگا   جھواں سب کیہرا دھونگا

حرف 'تھا' کی بابت پروفیسر شیرانی نے فرمایا ہے کہ:

"زیادہ موزوں سمجھتا ہوں کہ اِس کو ملتانی زبان کے مصدر بھیونا (بمعنی ہونا) کی ماضی مان لوں۔ بھیونا کی ماضی بھیا آتی ہے"۔ (پنجاب میں اُردو ص ۱۰۷)

اور اپنے اِس خیال کی تائید میں اُنھوں نے، ایک فقرہ بھی نقل کیا ہے،

اِس پر پروفیسر مسعود حسین خاں نے جو تبصرہ فرمایا ہے یہ ہے:

"اُردو 'تھا' ، پراکرت 'تھای' ، 'ٹھای' ، سنسکرت استھت یہ ہے 'تھا' کی لسانی تاریخ ... بھیونا اور بھیا ملتانی میں مصدر اور فعل ماضی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن ... ... فعل امدادی کے ماضی کے طور پر مستعمل نہیں ... جہاں تک شیخ برکت بھیا ... والے جملے کا تعلق ہے ..... یہ شیخ بھیا نہیں ہے بلکہ 'برکت شیخ بھیا یا بھیا .... ہے سندھ میں اِس عہد کے ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں"۔

(مقدمہ تاریخ زبان اُردو ص ۲۱۴ تا ۲۱۵)

پروفیسر شیرانی نے بھیونا اور بھیا کا وجود ملتانی میں بتایا ہے

اس سے انکار نہیں کیا گیا، رہی جملۂ مذکورہ میں تھبا، تھپا، یا تھبا، کی بات تو شیرانی کے قول کی تردید کرنے والے کو یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ فی الواقع کیا ہے۔ بات کو غیر متعین چھوڑ دینا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی کہ سندھ کے ایک بزرگ تھے، محض بے معنی ہے تاوقتیکہ ان بزرگ کا وجود معتبر شہادتوں سے ثابت نہ کیا جائے اور یہ بھی نہ بتایا جائے کہ جملۂ مذکورہ میں انھیں بزرگ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ "تھا" کی جو لسانی تاریخ" پیش کی ہے وہ دورانہ کار ہے کم از کم اردو میں "تھا لے" کہیں استعمال میں نہیں آیا۔ پراکرت اور سنسکرت میں جو بتایا ہے اس کے لیے بھی کوئی سند پیش نہیں کی گئی۔

راقم کا خیال ہے کہ 'تھا' اودھی کے عام اصول کے مطابق 'رہا' کی تبدیل شدہ صورت ہے اسی معنی میں اودھی میں 'تہا' اور "رہتھ" وغیرہ بھی آتے ہیں۔ ملتانی سے اردو کا براہ راست کوئی تعلق نہیں پھر "تھیونا" اور 'تھیا' کی قدامت اتنی کہ ان سے 'تھا' کا استخراج ثابت ہو سکے بہت زیادہ مشتبہ ہے۔

ہاٹ = بازار

پن دیکھی سنگھل کی ہاٹا　　　　نو ندھ دیکھی سب یاٹا

ہاڈ = ہاڑ = ہڈی

جرجر ہاڈ بھئے تے چوناں　　　　تہاں مانس کو رکت بھونا

ہارا = والا کہا گیا ہے:

"لفظ 'والا' مابعد کا ارتقا ہے۔ قدیم دکنی، ہریانی، پنجابی اور برج میں ہمیشہ 'ہارا' آیا ہے اس لیے 'ہارا' کو کسی خاص بولی سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا"

(مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۱۵۱)

مختلف بولیوں میں بہ یک وقت 'ہارا' وجود میں نہ آیا ہوگا۔ قدیم ترین مأخذ کی جستجو بہر حال ضروری تھی۔ یہ لاحقہ اودھی کی قدیم ترین تصانیف 'چنداین' اور 'مینا ست' میں بھی ملتا ہے اس کی تبدیلی مختلف انداز سے آئی ہے یعنی:

ہالا۔ وارا۔ والا۔ یارا۔ یالا۔ وغیرہ

اور پھر ان میں سے ہر ایک کے مخففات بالکل اسی طور پر آتے ہیں۔ جیسے 'والا' اور 'وارا' کے مذکور ہو چکے ہیں۔ پدماوت میں ان میں سے ہر ایک کی مثال مل جاتی ہے بعض لفظ یہ ہے:

سرجن ہارا (ہارا) پونچھار (ہار) لہہر (ہر) بنجارا (ارا) تھیار (ورا) نوگرہی (ہی) جھرنا (ا) نیہر (ر) دیال (ل) سکوار (وار) سیارا (یارا) بریار (یار) نچینیا (یا) باسی (ی) گھڑیال (یال) نویلا (یلا)۔ گھایل (یل) وغیرہ

والا، یالا وغیرہ کو "مابعد کا ارتقا" ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے ان میں سے کوئی ایک آواز بھی ایسی نہیں جو قدیم نہ ہو۔ پھر ان کا

وجود "مناسبت" تک، ہنڈولا (ولا) اور ہنڈول (دل) وغیرہ الفاظ میں ملتا ہے۔

ہاں = لاحقہ مشہور ہے اور دلالت کرتا ہے مکان پہ چنانچہ اسم اشارہ بعید کے لیے ذیل کے الفاظ آئے ہیں۔

اوہاں ، واہاں ، وانہاں ، وہاں

اسی طرح دوسرے الفاظ کا معاملہ بھی ہے

ہت = حرف معنوی، بمعنی سے

جس بچھوہ جل مین دھیلا — جل ہت کاڑھ اگن منہ ہیلا

ہت، ہتو، ہتھ ۔ فعل امدادی کی حیثیت سے ماضی کے لیے:

کاپ سہان رین ہتھ باڈھی — تلتل مرجگ جگ بر کاڈھی

اور حاضر کے لیے بھی آئے ہیں۔

بن جیو نیڈ چھار کر کورا — چھار ملاوے سوی ہتو پورا

ہتا = فعل امدادی بمعنی "تھا"

تب گن موہ اہا ہو دیوا — جبت پنکھن مہ ہتا پریوا

ہتھورین = ہتھیلی

جا نہ رکت ہتھورین بوڑیں — رب پربھات تات وے جوڑیں

ہتھیارن = خون ناحق کرنے والی۔ مذکر ہتھیارا

کنک انگوٹھیں اونگ جری — وے ہتھیارن نکھتہ بھری

ہرانا = کھو جانا، گم ہونا

جولہ آپ ہراے نہ کوی - تولہ ہیرت پاو نہ سوی

ہَرلینا = چھین لینا

کین ایکار مرن کر لینھاں - سکت جگاے جیو ہرلینھاں

ہِردے = دِل

پیٹر تلوری اوجل ہنا - ہردے بیٹھ برہ لگ نا

ہَرکھ = خوشی

ناگ پھانس انہ میلے گیواں - ہرکھ نہ لبھوا ایکو جیواں

ہَرو = ہلکا

کوی ہرو جان رتھ ہانکا - کوی گرو بھار بہا تھانکا

ہَریَر = ہرا

سکھن رچاپی سنگ ہنڈولا - ہریر بھیم کسنبھی چولا

ہَست، ہستی = ہاتھی

ساہ آے چتور گڈھ باجا - ہستی سہس باس سنگ ساگا جا

ہُلاس = خوش، خوشی

سنتہ کھن راجا کرناوں - بھا ہلاس سب ٹھانوںہہ ٹھانوں

ہلیج = ہلگ، اُلجھ

جھانکرے جھاں سو جھاڈ نبتھا - ہلگ مکونے نہ بھاڑہ کنتھا

ہُنکاری = پکاری، طلب کی اور کبھی تائید کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

وہ ہنکار کے بیرا دیتھاں ۔۔۔ تو رے یہ من بر جیو کنیھاں

ہی (بہ یائے معروف) = یہ

ہی راجا لکھن کے کرا ۔۔۔ سکتی بان موہ ہے پرا

ہی = ہیۂ، ہیا = دِل

من سوں من تن سوں تن گہا ۔۔۔ ہی سوں ہی بیچ ہار نہ رہا

ہے = "گھوڑے کو کہتے ہیں اور سین بمعنی لشکر یعنی فوجِ شاہی"
(پدماوت ص ۱۴۱)

ہے کے سین چلی جگ پوری ۔۔۔ پربت ٹوٹ اڑ نہہ ہو دھوری

ہیاو = حوصلہ، ہمت

پرکھ چاہے اونچ ہیاو ۔۔۔ دن دن اونچے راکھے پاو

ہیں = کم، سبک

تم تریا من ہین تمہاری ۔۔۔ مورکھ سوی جتے گھر ناری

ہنڈولا = جھولا

سکھن رچاپی سنگ ہنڈولا ۔۔۔ ہر یر بھم کسنبھی چولا

ہو، ہوں = بھی

آو بیا جو اہا ہمارا ۔۔۔ اوہوں نہ یہ دن ہئیں بچارا

ہیرے = ڈھونڈھے

جو لہ آپ ہرائے نہ کوی ۔۔۔ تو لہ ہیرت پاو نہ سوی

(ے)

یا۔ یہ = اسم اشارہ ہیں: بمعنی 'اِس' بھی آئے ہیں

کابھولوں یہ چندن چوتواں — بیری جہاں آنگ کے رونواں

یک = اِک، ایک

تنہ کرروپ بھا وکو کہا — یک یک نگ شستے برلہا

اکثر معدود کے بعد آتا ہے

پاتر یک ہت جوگی سوانگی — ساہ اوگھا رہت وہ مانگی

یاہاں، یہنہ = یہاں

اے رانی من دیکھ بچاری — یہنہ تیہر رہنا دن چاری

یارا، یالا = لاحقہ مشہور ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں "ہارا"

پس نوشت

"اُردو کے حروفِ تہجّی" میں کھیر اور شیر سے متعلق میری معروضات سے متعلق میرے شفیق بزرگ پروفیسر گیان چند صاحب (جموں) نے فرمایا۔

"آپ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ ہندی کا کھیر یا چھیر بمعنی دودھ فارسی شیر سے ماخوذ ہے۔ سنسکرت کا لفظ क्षीर کشمیر یا کھشیر ہے جس سے کبھی چھیر بنایا گیا، کبھی کھیر اور شیر۔ شروع میں "کش" بولنا سہل نہیں تھا اس لیے عموماً شیر ہی کہہ دیتے تھے جیسے شیر ساگر۔ سنسکرت اور قدیم فارسی کا یہ لفظ قریب التلفظ ہے۔"

اودھی بھاکھا کی تقریباً تمام قدیم ترین کتابیں مسلمانوں کی تصنیف ہیں اور یہ سب مسلم حلقوں میں عام طور سے مقبول بھی رہی ہیں۔ اِن حلقوں میں مروج الفاظ کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ اُن ہی زبانوں سے ہونا چاہیئے جن سے یہ حلقے کم و بیش مانوس رہے ہوں۔ بظاہر سنسکرت

کے الفاظ کا مسلمانوں میں عام طور سے رائج ہونا خلافِ قیاس معلوم ہوتا ہے اِسلیے میرا خیال ہے کہ ایسے تمام الفاظ کو جن کا براہِ راست تعلق فارسی یا عربی سے ثابت ہو سکے اُنھیں زبانوں سے ماخوذ سمجھنا چاہیے سنسکرت میں بھی اگر اُن سے ملتے جلتے الفاظ موجود ہیں تو اس کی بہت اہمیت نہیں ہے تا وقتیکہ کوئی معتبر سند اِس بارے میں نہ مل جائے۔
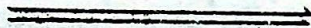
مآخذ

بکٹ کہانی = محمد افضل افضل۔ مرتبہ پروفیسر نور الحسن ہاشمی و پروفیسر مسعود حسین خاں طبع ثانی سنہ ۱۹۷۰ء

پنجاب میں اردو = حافظ محمود خاں شیرانی۔ مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء

پدماوت = مولانا ملک محمد جائسی۔ مصحح و مترجم۔ منشی احمد علی رسا مطبوعہ مطبع نظامی کانپور سنہ ۱۳۱۶ھ مطابق سنہ ۱۸۹۸ء

داستان زبان اردو = ڈاکٹر شوکت سبزواری مطبوعہ سنہ ۱۹۶۱ء

قاعدہ زبان اردو عرف رسالۂ گل کرسٹ = مرتب خلیل الرحمٰن داودی مجلس ترقی ادب لاہور سنہ ۱۹۶۲ء

سرمایۂ زبان اردو = جلال لکھنوی مطبوعہ سنہ ۱۳۰۴ھ مطابق سنہ ۱۸۸۷ء

قصۂ مہر افروز و دلبر = مرتب: پروفیسر مسعود حسین خاں مطبوعہ سنہ ۱۹۶۶ء

کربل کتھا = فضل علی خاں فضلی۔ مرتبین: جناب مالک رام و ڈاکٹر مختار الدین احمد مطبوعہ سنہ ۱۹۶۵ء

مقدمہ تاریخ زبانِ اُردو = پروفیسر مسعود حسین خاں۔ مطبوعہ
مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ طبع چہارم بعد نظر ثانی واضافہ سنہ ۱۹۷۰ء

نفس اللغتہ = والاجاہ میر علی اوسط رشک مطبوعہ نیر پریس لکھنو
طبع اول سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق سنہ ۱۹۳۶ء

ہنس جواہر بھاکھا = مولانا قاسم دریابادی سنہ ۱۱۴۹ھ / مطابق سنہ ۱۷۳۶ء
مطبوعہ سنہ ۱۹۱۳ء بار نہم

چندائین = از ملا داود اور پدماوت از میاں سادھن۔ قدیم ہندی پریم
کتھائیں۔ از پروفیسر سید حسن عسکری، مشمولہ معاصر پٹنہ
حصہ ۱۶، ۱۷ (اپریل، جولائی سنہ ۱۹۶۰ء)

جائسی = اور چند مسلمان ہندی شعراء کے کلام کا ایک قدیم مجموعہ
از پروفیسر سید حسن عسکری مشمولہ ماہی معاصر پٹنہ
حصہ ۴ دسمبر سنہ ۱۹۵۳ء

اُردو کے حروفِ تہجّی

از

ڈاکٹر محمد انصار اللہ

(بعض اہلِ علم کی رائیں)

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی (پروفیسر و صدر شعبہ اُردو، لکھنؤ یونیورسٹی)

"آپ کی تالیف "اُردو کے حروفِ تہجی" دیکھ ڈالی۔ بہت ٹھیک اور اچھی لکھی ہے۔ ص ۱۷، ۱۸، ۱۹ یا دیگر صفحات پر جہاں آپ نے قدیم صوفیاء حضرات یا ادباء کے نام لکھے ہیں ساتھ ہی میں آگے قوسین میں اگر اِن کی تاریخ ولادت اور وفات بھی لکھ دی جاتی تو بہتر تھا۔ اِس سے عام قاری کو اِن کی قدامت کا صحیح اندازہ ہو جاتا۔

ڈاکٹر محمد حسن (پروفیسر و صدر شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی سری نگر)

"آپ کی اِس کاوش پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اُردو کو آپ ایسے اہلِ قلم کی سخت ضرورت ہے۔ مبارکباد کیساتھ۔

ڈاکٹر قاضی عبدالستار (ریڈر شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

"اردو کے حروفِ تہجی کے مؤلف کی لسانیاتی موشگافیاں داد کی مستحق

ہیں اور یہ بھی کہ کتاب کی نثر اپنے موضوع کے عین مطابق ہے

صاف ستھری، مضبوط علمی نثر جو اپنے موضوع کے قالب پر اچھے

سلے ہوئے لباس کی طرح سجتی ہے ...."

ڈاکٹر سلام سندیلوی (استاد شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی)

" آپ کی کتاب 'اردو کے حروف تہجی' موصول ہوئی۔ اس کو پڑھ

کر بے حد مسرت ہوئی۔ آپ نے اس کتاب میں بے حد کاوش

کی ہے اور انتہائی تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔

آخر میں میرزا روشن ضمیر کے رسالہ 'ضابطۂ ہندی' کو شامل

کر کے آپ نے اپنی کتاب کو مزید اہم اور مفید بنا دیا ہے۔

حکیم سید ظل الرحمٰن (ریسرچ آفیسر حکیم اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

" ڈاکٹر محمد انصار اللہ صاحب اپنے ادبی اور تحقیقی کاموں کی وجہ سے

محتاج تعارف نہیں .... اردو تحقیق کو انھوں نے جو نیا رُخ

دینے کی کوشش کی ہے اس سے کسی کے لیے انکار کی گنجائش نہیں

ہو سکتی ہے۔ انھوں نے مطالعہ اور تجزیہ کی جو راہیں اپنا ہی

ہیں وہ تحقیق کا صحیح معیار متعین کرتی ہیں۔ ان کا یہ کتابچہ بھی

انکی انھی کاوشوں کا آئینہ دار ہے ... اردو میں اس طرح کبھی

نہیں سوچا گیا۔ قدیم مخطوطات کے مطالعہ میں ان مباحث کو

پوری اہمیت دینی ہوگی۔

تحقیقی کام کے لیے بڑی دیدہ ریزی، سرمغزی مطالعہ اور علمی جسارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انصاراللہ صاحب میں یہ چیزیں جمع ہیں اسی لیے ان کے ہاں نئی چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔"

******

خدائے واحد وقیوم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ادارہ "المخدوم" کی پہلی پیش کش "اردو کے حروفِ تہجی" علمی حلقوں میں عام طور سے قدر کی نظروں سے دیکھی گئی۔ یہ کتاب شعبان کے آخر میں چھپ کر تیار ہوئی تھی اور عالی جناب سید عباس صاحب آنریری سکریٹری ڈائریکٹر اسلامک اسٹڈیز سمینری مدراس کے دستِ مبارک سے نیو کالج مدراس میں اس کا اجرا ہوا تھا اور کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئی۔

اب محترم مصنف صاحب اس پر نظرِ ثانی کرلیں تو مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد بعض ضروری تصاویر کے ساتھ کتاب کا دوسرا ایڈیشن شایع کرنے کا ارادہ ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔ (ادارہ)